عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

# طلوعِ اسلام

June-41 جون ۱۹۴۱ء

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلّہ

# طلوعِ اسلام

دہلی


دورِ جدید

| بدلِ اشتراک | | مرتب |
|---|---|---|
| سالانہ پانچ روپیہ ۵/- | | |
| ششماہی | تین روپے ۳/- | اخوندزادہ حسین امام |
| فی پرچہ | آٹھ آنے | جلد (۴) شمارہ (۶) |

جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق جون سنہ ۱۹۴۱ء


---

## فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| لمعات | ادارہ | ۱ — ۱۱ |
| آثار | (و) | ۱۲ |
| نقد و نظر | ادارہ | ۱۳-۱۶ |
| اقبال کا تصورِ خودی | جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب | ۱۷-۳۱ |
| نظم | جناب اسد ملتانی | ۳۲ |
| مکافاتِ عمل | ادارہ | ۳۳-۶۰ |
| حقائق و عبر | ادارہ | ۶۱-۷۲ |
| صراطِ مستقیم | جناب مشتاق احمد صاحب افغان (لیہ) | ۷۳-۸۰ |

# لمعات

لیگ کے نام لیواؤں میں دو وزیر اعظم ہیں۔ ایک "دانا دشمن" دوسرے "نادان دوست" "ضعیف و ناتوان ناخدائے کشتی ملّت۔ ادھر اُدھر کے منتشر تختے اکٹھے کر کے۔ ناؤ تو نہیں "ناؤ کا ڈھانچہ" تیار کرتا ہے کہ کبھی ایک کے مصالح و مقاصد کی سطح آب کے نیچے چھپی ہوئی چٹانیں اُسے پاش پاش کر دیتی ہیں اور کہیں دوسرے کا سیلاب جذبات اُس کا رُخ ساحل سے دوسری طرف پھیر دیتا ہے۔ ناؤ کا کھویا کبھی ایک سے حفاظت کی تجاویز سوچتا ہے، کبھی دوسرے کے طوفانِ جذبات کو آئین و ضوابط کے سواحل میں محصور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پھر منتشر تختوں کو یکجا کرنے میں لگ جاتا ہے اور پھر اُس کا رُخ جانبِ منزل متعین کر دیتا ہے۔ کشتی میں بیٹھنے والوں کی بالعموم یہ کیفیت ہے کہ اس کشمکش کو "ناخدا" اور "اُس کی کشتی" کا مسئلہ سمجھ کر اپنی اپنی تفریحات میں مگن ہیں۔ حوادثِ زمانہ طُغیانیاں چاروں طرف سے ہجوم کر کے آ رہی ہیں۔ آفاتِ سیاسیہ کی ہنگامہ خیزیاں یورش کر رہی ہیں۔ مخالف توں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ مخاصمتوں کی آندھیاں اُٹھ رہی ہیں۔ اور اس ازدحام مشکلات میں وہ ضعیف و ناتواں ملاح ساحل کی طرف نظر جمائے ان تمام مشکلات و مصائب سے بیگانہ وار محض اللہ کے فضل و کرم کے بھروسے کشتی کو کھیتا چلا جا رہا ہے۔ آسمان اس منظر پر متحیر ہے۔ زمین متاسف ہے۔ لیکن کشتی کے مسافر بالعموم نہ اس سے متاثر ہیں نہ متاسف۔ سینۂ آب نے ایسی کشتی اور چشمِ ملک نے ایسا کشتی بان کم دیکھا ہوگا۔

---

مدراس کے ریزولیوشن نے خدا خدا کر کے پنجاب کی مخالفت کا منہ بند کیا تھا کہ بنگال کے وزیر اعظم مون سون MON-SOON کے شور انگیز طوفان میں اُڑتے ہوئے۔ کلکتہ سے شملہ جا پہونچے۔ ملک کی سیاسی گتھی کو سُلجھانے کے لئے جناب وائسرائے کے سامنے اپنی تجویز پیش کر دی۔ حساس حلقوں میں اس سے ایک اضطراب پیدا ہوا، اور اس تحریک کا پہلا مظاہرہ کلکتہ کی مسلم لیگ کی طرف سے ہوا۔ جس نے بنگال کے وزیر اعظم اور صوبائی مسلم لیگ

کے صدر (جناب فضل الحق صاحب) کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کا ریزولیوشن پاس کر کے شایع کر دیا۔ جذباتی انسان پر اس کا جو اثر ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ جناب فضل الحق صاحب نے اس کے خلاف غم و غصّہ سے جھلکتا ہوا ایک بیان دے مارا۔ لیکن اس کے بعد جب جذبات کی آندھیاں فرو ہوئیں تو پھر دوسرے بیان میں اعتدال پر آگئے یہ واقعہ کئی ایک اعتبار سے افسوسناک ہے اور الم خیز ہم نے نم آلود آنکھوں سے اُسے پڑھا اور اب کلیجہ پر پتھر رکھکر اس کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ اس کا تذکرہ کئے بغیر چارہ نہ تھا

---

جناب فضل الحق صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ خلوص اور سرتاپا خلوص! ایثار اور ہمہ تن ایثار! سینہ دردِ ملت سے لبریز۔ قلب جرأت و جسارت کا کاشانہ۔ سیر چشمی۔ بلند نگہی۔ وفاشعاری۔ نصب العین سے تمسک۔ غور فرمائیے یہ جوہر کس قدر گرانمایہ ہیں۔ اور ان پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ لیکن ہماری شوریدہ بختی کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے اور ان کے سیلاب میں آئین و ضوابط کی نگہداشت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اتنی بڑی ذمہ دار شخصیت کے لئے یہ بڑا نقص ہے۔ اور ان کا یہی نقص بعض اوقات اس قسم کے افسوسناک واقعات کا موجب بن جاتا ہے۔ جو ہماری سیاسی فضا میں کچھ وقت کیلئے وجہِ دل گرفتگی ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جو سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں کونسا حساس قلب ہے جو انھیں دور کرنے کے لئے مضطرب نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھیں کہ بین الاقوامی حالات کے پیشِ نظر ان کا جلد از جلد سُلجھانا نہایت ضروری ہے۔ ان حالات کے ماتحت جناب فضل الحق صاحب جیسے جذباتی انسان کا ہمہ تن اضطراب ہو جانا کچھ خلاف توقع نہیں۔ لیکن جذبات کی اس رو میں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ اس کشمکش میں مسلمانانِ ہند کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت اور ان کے احساسات و مقتضیات کی ترجمانی کا حق ایک اور صرف ایک شخصیت کو حاصل ہے۔ وہ شخصیت جسے مسلمانوں نے اپنی وکالت و نیابت کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور وہ اس اہم ترین فریضہ کی سرانجام دہی کی پوری اہلیت و احساس رکھتا ہے ہم اس سے پیشتر کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جب ملّت سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کی انفرادی حیثیت (PERSONAL CAPACITY) کوئی شئی نہیں رہتی اس کی حیثیت ایک قطرہ کی سی ہے جو سمندر

میں جا ملا۔ اب سارے سمندر کا اُبھرنا اس کا اُبھرنا ہے۔ اور اُس کا گرنا اس کا گرنا۔ اس لئے یہ اصول اسلامی نقطۂ خیال سے یکسر غلط ہے کہ فلاں بات میں نے اپنی ذاتی حیثیت سے کی فلاں بحیثیت وزیر اعظم۔ اور فلاں باعتبار رُکن مسلم لیگ۔ مسلمان کی صرف ایک حیثیت ہے۔ یعنی مسلمان! خدا کا غلام اور ملّت کا جزو لاینفک۔ اس کے علاوہ کسی اور حیثیت کا خیال انانیت ہے۔ اور جرمِ عظیم۔ اگر کوئی سپاہی ہے تو بھی ملّت کے ایک پرزہ کی حیثیت سے ہے۔ وزیر اعظم ہے تو بھی جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے! **ملّت** سے الگ کسی اور حیثیت میں وزارتِ عظمیٰ چھوڑ۔ شہنشاہیت بھی ملتی ہو تو اس کا قبول کرنا حرام ہے۔ پھر جب ملّت نے اپنے میں سے ایک کو اپنا **امیر** منتخب کر لیا تو ملّت کی نمایندگی کا صرف اسی کو حق پہنچا ہے۔ اس کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنا کس طرح روا رکھا جا سکتا ہے۔ مجلس مشاورت میں اسکی مخالفت کیجئے۔ اس سے بحث کیجئے۔ اپنی کہئے۔ اس کی سنیئے۔ اس کی رائے کی تائید کیجئے۔ تردید کیجئے۔ ہر قسم کا حق آپ کو حاصل ہے۔ لیکن جب ایک معاملہ طے ہو جائے تو اس کے بعد آپ کا فریضہ اطاعت اور کامل اطاعت ہے۔ اور اسی طرح جب کسی جگہ ملّت کی نمایندگی کا سوال پیش ہو تو وہاں آپکی حیثیت کوئی ہستی نہیں رکھتی۔ وہاں آپ کے **امیر** اور فقط اس **امیر** کو بولنے کا حق حاصل ہے۔ تا آنکہ وہ آپ کو کسی خاص مقصد کے لئے مامور نہ کر دے۔ یہ ہے جماعتی زندگی کی اصل۔ یہ ہے وہ بنیاد جس پر بہبودِ ملّت کی تمام عمارت قایم ہوگی۔ اس لئے اگر جناب فضل الحق صاحب کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز آئی تھی جو ان کے نزدیک موجودہ سیاسی تعطل یا کشمکش کا حل پیش کر سکتی تھی تو انھیں چاہیے تھا کہ اس تجویز کو اپنی جماعت اور اس کے **امیر** کے سامنے پیش کرتے۔ اور وہاں کا فیصلہ نائبِ ملّت کی طرف سے دوسروں کے سامنے جاتا۔ یہ تھی راہِ صواب۔ ہم جناب فضل الحق صاحب کی خدمت میں اس احترام و عقیدت کے ساتھ جو ان کی خوبیوں کی بنا پر ہمارے دل میں موجود ہے۔ باادب گذارش کریں گے کہ وہ ان معروضات پر اپنے قلب و دماغ کے پورے توازن کے ساتھ غور فرمائیں اور اگر ان سے متفق ہوں تو آیندہ کے لئے ایسے اقدام سے احتیاط برتا کریں۔ جو ایک طرف ملّت کی صفوں میں انتشار و خلفشار کا موجب بن جائے۔ دوسری طرف اغیار کو طعنہ زنی اور تبسّم زیرلبی کا موقع دے۔ وہ یقین مانیں کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں اُن کے خلوص کی بڑی قیمت ہے۔ وہ ایسی گراں بہا متاع کو حفظِ آئین کے حصارِ حصین میں محفوظ رکھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں اُنکی

یہ قدر و منزلت نہ اُن کی وزارت عظمیٰ کی وجہ سے ہے نہ کسی اور حیثیت سے۔ یہ فقط اس لئے ہے کہ وہ اُن کی نمائندہ جماعت کے ایک محکم رُکن ہیں اور **امیرِ ملّت** کے وفا شعار سپاہی۔ اگر وہ اپنی اس حیثیت کو الگ کرلیں تو پھر سندھ سرحد۔ پنجاب اور بنگال یکساں ہیں مسلمان کے نزدیک قدر و قیمت متعین کرنے کی ایک ہی میزان ہے اور وہ ہے **تمسک بالجماعت** جو اس میزان میں پورا اُترتا ہے۔ اُنکی آنکھوں کا تارا ہے۔ جو نہیں اُترتا، آشوبِ چشم ہے۔

---

لیکن ایک چیز کلکتہ مسلم لیگ والوں کے متعلق بھی ضروری ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ اُنھیں کیا حق حاصل تھا کہ وہ اس مسئلہ پر ریز ولیوشن پاس کر کے اُسے شایع کر دیتے۔ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کا تعلق صرف کلکتہ سے ہو یا کلکتہ لیگ کے کسی رُکن سے ہو تو وہ مقامی اعتبار سے اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرسکتی ہے۔ لیکن ایسے اہم مسئلہ کے متعلق جسکے اثرات اکناف و اطراف ملک کو محیط ہوں۔ اپنی رائے کو یوں عام کر دینا ہمارے نزدیک کسی صورت میں بھی مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اُنھیں چاہیئے تھا کہ اپنی رائے کو صوبہ کی مسلم لیگ تک پہونچاتے مرکزی لیگ تک پہونچاتے۔ **امیرِ ملّت** کے گوش گذار کرتے۔ اور پھر انتظار کرتے کہ وہاں سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ کیا اُن کے خیال میں مسٹر جناح۔ جناب فضل الحق صاحب کے اس اقدام سے بالکل بے خبر تھے ؟ کیا مرکزی جماعت اس قدر بے حس تھی کہ وہ اس معاملے کی اہمیت کو پہچان نہ سکتی ؟ جب صورت یہ تھی تو کلکتہ والوں پر کونسا فریضہ عائد ہوتا تھا کہ وہ مرکز کے فیصلے کا انتظار کئے بغیر اپنی رائے کو یوں عام کر دیتے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح جناب فضل الحق صاحب اپنے جذبات کی رو میں بہہ گئے اُن سے بڑھ کر کلکتہ لیگ والے اس سیلاب کی نذر ہو گئے۔ ہم مرکزی لیگ سے درخواست کریں گے کہ وہ اس باب میں واضح ہدایات نافذ کرے تاکہ آئندہ کسی گوشے سے بھی اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکات صادر نہ ہونے پائیں۔ خدا خدا کر کے چند بکھرے ہوئے تنکوں سے طرحِ آشیاں رکھی گئی ہے۔ اُسے یوں نذرِ باد و باراں کر دینا کہاں کی دانش اطواری ہے۔

---

جناب فضل الحق صاحب کے اس اقدام پر غیر مسلم اخبارات نے حسبِ عادت، بڑی کم ظرفی کا ثبوت دیا۔ ایک

طرف ان کے دلوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ کہ لو! لیگ میں تشتت و انتشار پیدا ہو گیا۔ دوسری طرف انھوں نے بڑھ بڑھ کر ان کی تجویز کا استقبال کیا۔ ان کی دانست میں اس سے لیگ کے مطالبات کا خاتمہ ہو جاتا تھا لیکن افسوس کہ ان کی اس مسرت کی مدت کچھ زیادہ نہ رہی اور جناب فضل الحق صاحب نے ۲۲ مئی کو ایک طویل بیان میں اپنے مفہوم کو واضح کر دیا۔ اس بیان کے دوران میں انھوں نے کہا

"میں نے موجودہ تعطل کے متعلق وائسرائے کے سامنے جو تجویز پیش کی تھی اس کی بابت میری نسبت بہت زیادہ غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ میں نے تو صرف یہ تجویز پیش کی تھی کہ لارڈ لنلتھگو اپنی ذاتی حیثیت سے ہندوستان کے مختلف عناصر کے نمایندوں کی ایک گول میز کانفرنس منعقد کریں جس میں یہ نمایندگان موجودہ سیاسی مسائل پر غور و خوض کریں اور اس کے بعد یا تو آئین ہند کے متعلق مستقل طور پر یا کم از کم لڑائی کے دنوں تک کسی مفاہمت پر پہنچ جائیں اور پھر آخری مرتبہ دنیا پر واضح کر دیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال تھا اور اب بھی یہ خیال ہے کہ اس کانفرنس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مرکز اور صوبوں میں اس قسم کی قومی حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔ جن میں ہندوستان کے اہم عناصر کی برابر برابر کی نمایندگی ہو گی

ہمارا خیال ہے کہ اس برابر برابر کی نمایندگی کی تجویز سے برادران وطن کی خوشیاں ماتم میں بدل گئی ہونگی۔

---

آگے چلکر جناب فضل الحق صاحب فرماتے ہیں

"جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ باوجود اس قدر تنقید کے۔ میں اب تک اس خیال پر قائم ہوں کہ میری تحریک کسی صورت میں بھی مسلم لیگ کے مسلک کے خلاف نہ تھی۔ جس کی مجلس عاملہ کا میں ایک رکن ہوں کوئی گول میز کانفرنس منعقد ہو مسلمانوں کی نمایندگی تو مسلم لیگ ہی کر سکتی ہے۔ اور کوئی فیصلہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہو گا۔ تاوقتیکہ لیگ اُسے منظور نہ کرے۔ میں لیگ کی پالیسی یا اس کے نصب العین سے کسی طرح بھی اختلاف نہیں رکھتا۔ اور میں عوام کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ

اپنی ملی جماعت سے میرا کوئی اختلاف نہیں بلکہ پورا پورا اتفاق ہے۔"

(اسٹیٹسمین ۵/۱۴ ۲۲)

جناب فضل الحق صاحب کے متعلق کسی کو کبھی کوئی شبہ نہیں ہوا۔ کہ انھیں لیگ کے مسلک و نصب العین سے کوئی اختلاف ہے۔ جو کہنا ہے وہ صرف اس قدر کہ اس قسم کی تجاویز بھی لیگ کی طرف سے آنی چاہئیں۔ نہ کہ ارکان لیگ سے فرداً فرداً۔ الگ الگ مقتدیوں کی آرزوئیں اور تمنائیں امام کی وساطت سے آگے پہنچا کرتی ہیں و فیہا بصائر للناس۔

---

(۲)

جہنم زار یورپ سے جنگ کے شعلے اس شدت اور تیزی سے اٹھ رہے ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کی لپیٹ کی حدود کیا ہونگی۔ ہندوستان پر اس کا اثر کیا ہوگا۔ اور ایسے حالات میں یہاں کی حفاظت و قیام امن کے لئے کیا تدابیر کی جائیں گی۔ اس کا تعلق ارباب حکومت سے ہے۔ لیکن اپنی اپنی حفاظت کو صرف حکومت کے سپرد کر کے آپ چادر تان کر سو رہنا۔ نزاکت حالات کے پیش نظر خودکشی کے مرادف ہوگا۔ برادران وطن کی ذہنیت کے پیش نظر یہاں بیرونی خطرہ سے کہیں زیادہ اندرونی خلفشار کا خطرہ لرزہ انگیز ہے۔ چنانچہ اس نظم کے زمانہ میں مختلف مقامات پر جو فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تفصیلات اس ذہنیت کی زندہ مثالیں ہیں۔ پچھلے دنوں **بہار شریف** کے فساد میں جس بے رحمی اور سفاکی سے مسلمانوں کا قتل و غارت ہوا۔ اسکے متعلق امارت شرعیہ پھلواری شریف کے اخبار "نقیب" (بابت ۱۰ مئی سنہ ۱۹۴۰ء) میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا ہے۔ واضح رہے کہ "نقیب" مسلم لیگ کا اخبار نہیں جسکے متعلق **ہندو** نہایت آسانی سے **فرقہ داری** کا الزام لگا کر خوش ہولیں۔ یہ قومیت پرست حضرات کا اخبار ہے۔ سنئے کہ اس فساد کے متعلق اس اخبار کا بیان کیا ہے.........

"بہار میں ہندو اکثریت میں ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ انسانیت کے ساتھ راحت و رحمت کے جذبات میں ہندو مسلمانوں سے بلند درجہ پر ہیں۔ اور نہایت مسکین قوم ہیں جو "**اہنسا پرمو دھرمہ**" کے قائل ہیں۔ مگر کیا اس درندگی، اس وحشیانہ بہیمیت اور قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، مدارس و مساجد کی بربادی اور انسانی آبادیوں میں آتشزدگی، اور غافل بے گناہ مرد و عورت اور بوڑھے بچوں پر سفاکانہ حملہ کے بعد بھی ان کے مرقع ہیں۔

اہنسا کا دھندلا سا نشان بھی ملے گا۔

ہندو دنیا کو ایک مرتبہ پھر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ کیا وہ اس منظم غنڈہ گردی کو جاری رکھنے میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور جماعتی حیثیت سے وہ اس کے ذریعہ اپنی جماعتی طاقت کا رُعب مسلمانوں کے دلوں پر بٹھانا چاہتے ہیں تو اُن کو اس غلط فہمی کو اپنے دماغ سے نکال دینا چاہئے۔ طاقت کا یہ کوئی شائستہ مظاہرہ نہیں ہے کہ پندرہ بیس ہزار کا مجمع جو لاٹھی اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ غافل اور بے خبر چند نہتے لوگوں پر اچانک حملہ کر دے۔ اور ان کی جان اور اُن کے مال کو نقصان پہنچائے اور اس کے بعد اپنی جوانمردی اور طاقت کا ڈھول پیٹے اور سمجھے کہ ہم نے مسلمانوں کو دہشت زدہ بنا دیا۔ اور اب آج سے مسلمان ہندو دنیا کے نام سے بھی خواب میں ڈرنے لگیں گے ـــ بلکہ یہ انتہا درجہ کی ایسی بزدلی اور پرلے درجہ کی ایسی حماقت ہے جو انسانیت کے لئے شرم و ننگ کا باعث ہے۔ اس سے وہ نہ اپنی جماعت کو جماعتی حیثیت سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ نہ ہندوستان کو، نہ مسلمانوں کو جماعتی حیثیت سے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ برباد کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس طریقہ سے ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنے کا منصوبہ پورا کیا جا سکتا ہے اور یہ ساری غلطیاں شاید اس نظریہ کے ماتحت کی جاتی ہیں کہ اقلیت و اکثریت کا غیر فطری خصوصیات کے غلط تخیلات کے وہمی دباؤ نے حقیقت ہی سے ان کو ناآشنا کر دیا ہے، اور مسلمانوں کی جماعتی طاقت کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ قومی اور جماعتی نفسیات کے ماہرین کی بصیرتوں کی روشنی میں اس مسئلہ کا تدبر سے مطالعہ کیا جائے۔ تاکہ اس کارگاہ عالم کے قدرتی حقائق کو جس پر دنیا چکر کاٹ رہی ہے اور فطرت کا غیر مبدل محور ہے۔ مشاہدہ اور محسوس بنکر سامنے آجائے اور یہ مغالطہ دُور ہو جائے۔ (اقتباس الہ اخبار "نقیب")

یہ تو خیر پھر بھی مسلمانوں کا اخبار ہے۔ اس فساد کے متعلق ڈاکٹر راجندر پرشاد اور ڈاکٹر سچدانند سنہا وغیرہ جیسے ہندو لیڈروں کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ جس کے دوران میں وہ لکھتے ہیں۔

"فسادات کی ابتداء پر ہم خواہ کسی قدر زیادہ افسوس ظاہر کریں۔ یہ بات یقیناً قابل افسوس ہے کہ ہندوؤں نے دیہاتوں میں ظالمانہ طرز عمل کا ارتکاب کیا۔ اور ایسی کارروائیاں اور ایسی حرکات انھوں نے کی ہیں جو حد درجہ قابل ملامت ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوسری کسی جگہ کے مظالم کی وجہ سے یہاں مظالم جائز قرار دیئے جا سکتے ہیں۔"

اس نیش زنی سے قطع نظر جو ہندوؤں جیسی تنگ نظر قوم کا شیوہ ہے اور جس کی جھلک اس بیان میں بھی نمایاں ہے۔ آپ اس پر غور فرمائیے کہ ہندوؤں کے جن مظالم و حرکات کو خود ہندوؤں نے قابلِ ملامت قرار دیا ہے وہ کس قدر وحشیانہ و سفاکانہ ہونگی۔ یہ تو ایک مثال ہے جو اس وقت یونہی سامنے آگئی۔ ورنہ ایسے فسادات کے موقع پر ہر جگہ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ان حالات میں ہو رہا ہے جبکہ ملک میں نظم و امن قائم ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ کسی وقت حکومت کی توجہات کسی بیرونی خطرہ کی طرف منصرف ہوگئیں تو نامعلوم برادران وطن کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کس وحشت و بربریت کے مظاہرے ہوں گے وقت ایسا آگیا ہے کہ مسلمان ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور کریں۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ فساد خونِ ناحق۔ سلب و نہب۔ لوٹ مار۔ تخریب عزت و عصمت مسلمانوں کے ہاں ازروئے مذہب ناجائز ہے۔ اس لئے ہر ذمہ دار مسلمان اس امر کی پوری پوری کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی خلاف دین و دانش حرکات کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ تو نہایت ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اپنی حفاظت کے لئے محکم تدابیر جلد از جلد عمل میں لائی جائیں۔ یاد رکھیے حفاظت تنظیم کے بغیر ناممکن ہے۔ اور تنظیم مرکزیت کے بغیر ایک خوابِ پریشان۔ حسن اتفاق کہ مسلمانوں کی مرکزیت مسلم لیگ کی شکل میں صورت پذیر ہو رہی ہے۔ اس لئے حفاظت کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنے اپنے اختلافات کو چھوڑ کر اپنے آپ کو مسلم لیگ کی مرکزیت سے وابستہ کر لیا جائے اور مسلم لیگ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ مسلمانوں کی حفاظت کے لئے عملی تجاویز کو سامنے لائے۔ جو لوگ کسی وجہ سے مسلم لیگ سے متمسک نہ ہو سکیں تو وہ اپنی اغراض و مقاصد کے لئے اپنے اندر جداگانہ تنظیم پیدا کریں۔ اور (خدانخواستہ) کسی مصیبت کے وقت میں تمام ایسی جماعتیں ایکدوسرے سے عملی تعاون کر کے کالبنیان مرصوص، حفاظت و حفاظت کے لئے ہمہ تن سپر بنجائیں۔ مسلمانوں کی یہ تنظیم۔ صرف مسلمانوں کے فائدے کی ہی چیز نہ ہوگی۔ بلکہ غیر مسلموں کے لئے قیامِ امن و سلامتی کی نوید ہوگی۔ اس لئے کہ مسلمان تو خدا کا ایسا سپاہی ہے جو بلا لحاظ مذہب و ملت دنیا میں امن و سلامتی کا ذمہ دار ہے۔ اس کا کام خدمت خلق ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسی غرض کے لئے خاکساروں کا وجود عمل میں آیا تھا۔ انھیں اگر زندہ رہنے دیا جاتا تو آج یہ اضطراب نہ ہوتا۔ ان کے بیلچے۔ انسانوں کے تحفظ جان و مال اور عزت کی بہترین سپر بنتے۔ اگر لیگ بھی دور اندیشی سے کام لیتی تو مسلمانوں کو آج آنیوالے خطرات سے اس قدر تردد

کیوں ہوتا - بہرحال جو کچھ ہوگیا اس کا کیا رونا - آئندہ کے لئے سوچئے کہ کیا کرنا ہے - ہم ارباب لیگ سے گذارش کریں گے کہ وہ حالات کے پیشِ نظر جلد از جلد اس باب میں عملی تدابیر سامنے لائیں ورنہ آج کے تغافل کی تلافی ناممکن ہو جائے گی

---

**(۳)**

للہ الحمد کہ اس قدر تگ و دو کے بعد **معارف القرآن** کے لئے کاغذ مل گیا - کتاب کی ترتیب کے وقت جس قسم کا کاغذ پیشِ نظر تھا اُس کا ملنا تو ناممکن ہو چکا تھا - بہرحال ہندوستانی ساخت کا بہترین کاغذ جو مارکیٹ سے مل سکا وہ خرید لیا گیا ہے - چنانچہ کتاب پریس میں جا چکی ہے اور جس وقت یہ سطور آپ کی نگاہوں سے گذر رہی ہونگی بفضلِ ایزدی نصف سے زائد کتاب چھپ چکی ہوگی - کتاب بڑی تقطیع ( ۲۲×۲۹/۸ ) کے قریب چھ سو صفحات پر مشتمل ہے - مطلع ( ٹائیٹل ) اور حسن مطلع ( ٹائیٹل کے بعد ایک اور صفحہ ) خوشنویسی اور آرٹ کا بہترین مظہر اس کے بعد -

حرف اول

اور حرف مرا

میں متنِ کتاب اور اس کی شرح کی اجمالی تفسیر - پھر ایک عالمانہ مقدمہ - اس کے بعد بسیط تعارف پھر فہرست شمولات جو اس انداز سے ترتیب دی گئی ہے کہ صرف عنوانات سے مفہوم کتاب ایک مسلسل تعلیم کی صورت میں سامنے آجاتا ہے - پھر اصل کتاب - کہنے کو تو ایک عنوان اللہ کی تشریح - لیکن فی الحقیقت حیات انسانی کے مختلف گوشوں سے متعلق تفصیلی ضابطۂ حیات - ہم جناب پرویز صاحب کے بدل شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ادارہ طلوع اسلام کو اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا - ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ کتاب معنوی خوبیوں کے اعتبار سے جس بلندی پر ہے صوری محاسن کے لحاظ سے بھی اس سطح پر ہو وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم - کتاب مجلد شائع کی جائیگی - اور انگلش سٹائل کی اعلیٰ پایہ کی جلد کا انتظام کیا جائے گا - جس پر سنہری حروف میں کتاب کا نام منقوش ہوگا - ہمیں پوری اُمید ہے کہ بعونہ تعالیٰ اخیر جون

تک کتاب مکمل ہو جائیگی اور سب سے پہلے ان حضرات کی خدمت میں روانہ کی جائے گی جنھوں نے اپنے اسماء گرامی فہرستِ خریداران میں درج کرا رکھے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ تک بھی کتاب جلدی پہونچ جائے تو اپنے پتہ سے اطلاع فرمائیں۔

---

کتاب کی اشاعت سے متعلق اکثر احباب کی طرف سے مختلف تجاویز موصول ہوتی ہیں ان میں سب سے عمدہ اور قابل عمل یہ ہے کہ مختلف مقامات پر کتاب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اپنے اپنے ہاں۔ ایک جگہ اپنے نام درج کرالیں۔ یا یوں کہئے کہ مختلف احباب کچھ نسخوں کی فروخت اپنے ذمہ لیں۔ اور یوں کتابیں اکٹھی منگائی جائیں۔ اس طرح انھیں کرایہ ریل میں کفایت ہو جائے گی۔ اور ہمیں ترسیل کتب اور معاملہ فہمی میں سہولیت کتاب لاہور میں چھپ رہی ہے اس لئے وہاں کے احباب ذرا جلدی اطلاع فرمائیں تاکہ انھیں وہیں کتابیں دیدی جائیں۔ اور یوں انھیں محصول کی بچت ہو جائے۔

---

رسالہ مرتب ہو چکا تھا کہ ۲۵ مئی کے ہندوستان ٹائمز میں یہ خبر شایع ہوئی کہ جناب نظام (حیدرآباد) نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"مذہب اور سیاسی معاملات دو جداگانہ چیزیں ہیں جنھیں آپس میں ملایا نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ ان کی نوعیت ہی ایک دوسرے سے جداگانہ ہے۔ میرے ذاتی مذہبی عقائد کچھ بھی ہوں لیکن انتظام (سیاست) کے مسئلہ میں۔ میں ایک اور مذہب کا بھی متبع ہوں اور وہ مذہب ہے۔ ہر ایک کے لئے سلامتی"

اس وقت ہمارے پاس وقت نہیں ہے کہ ہم اس خبر کی دیگر ذرائع سے بھی تصدیق کرسکیں۔ لیکن اسے صحیح تسلیم کرنے کے لئے ایک اور چیز بھی مؤید ہے۔ ابھی پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر گشت لگا رہی تھی کہ انجمن اتحاد المسلمین (حیدرآباد) نے کہیں یہ کہدیا کہ حیدرآباد میں مسلمانوں کی حکومت ہے اور جناب نظام ان کے نمایندے ہیں۔ اس کے جواب میں جناب نظام نے فرمایا کہ یہاں سب کی مشترکہ حکومت ہے۔ اور میں

سب کا نمایندہ ہوں۔ بہرحال ہم منتظر ہیں کہ

(۱) اگر یہ خبر غلط ہے تو کہیں سے اُس کی تردید ہو جائے اور

(۲) اور اگر یہ خبر درست ہے تو پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہماری مسندوں اور سجادوں میں سے کسے یہ توفیق نصیب ہوتی ہے کہ اس یکسر غیر اسلامی اعلان کے خلاف حق کی آواز بلند کرے

ہم قارئین طلوع اسلام سے درخواست کریں گے کہ اگر اس موضوع پر (تائیداً یا تردیداً) اُن کی نگاہ سے کوئی چیز گذرے۔ تو وہ ہمیں اس سے مطلع فرمائیں۔ سر دست ہم اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتے کہ اس اعلان کی دونوں شقیں غلط ہیں۔ اول الذکر (یعنی مذہب و سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں) اسلام کی رُوح کے خلاف ہے۔ اور ثانی الذکر (یعنی ذاتی عقائد اسلامی اور انصرام امور سیاست میں اس مذہب کی پیروی جسمیں ہر ایک کے لئے امن و سلامتی ہو) اسلام کے خلاف ایک بہتانِ عظیم ہے اس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب نظام کا ذاتی مذہب (اسلام) ہر ایک کے لئے امن و سلامتی کا پیامبر نہیں۔ اس کے لئے اُنھیں اپنے ذاتی مذہب سے الگ ہٹ کر کسی اور اُصول کی اتباع کرنی پڑتی ہے۔

خدا کرے کہ یہ خبر غلط نکلے۔

---

# آثار

بات ہے گرچہ پرانی مگر اے خاکِ عراق
یاد ہوگی تجھے آویزشِ نمرود و خلیلؑ

مصر کو بھی نہ ہوئی ہوگی فراموش ابھی
مرگِ فرعون و رہائیِ بنی اسرائیلؑ

جنگِ افرنگ جو تا مصر و عراق آپہنچی
نظر آتی ہے یہ منزل پہ پہنچنے کی دلیل

کیا عجب ہے جو پھر اکبار انہی ملکوں میں
حق سرافراز ہو اور قوتِ باطل ہو ذلیل

گل کرے آتشِ نمرود کو بابل کی ہوا
اور غرقاب کرے لشکرِ فرعون کو نیل

(۹)

۲۱ مئی ۱۹۴۱ء

# نقد و نظر

## پاکستان و ہندوستان

مرتبہ عبدالقدوس صاحب ہاشمی۔ شائع کردہ دارالاشاعت سیاسیہ شاہراہ غمانی ؛ حیدرآباد (دکن) طباعت۔ کتابت عمدہ ضخامت ۲۴۶ صفحات قیمت مجلد دو روپیہ

"پاکستان" بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اور مسلمانان ہند کے متفقہ ملی نصب العین کی حیثیت سے زبان زد خلائق ہے۔ اسی بنا پر اس نظریہ اور اسکیم کی تفصیلات سے متعلق پچھلے دنوں بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اور ہو رہی ہیں ان کتابوں میں زیر نظر کتاب کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس اعتبار سے کہ پاکستان اور اس کے متعلقات کی نسبت مختلف مقامات پر جو کچھ شائع ہوا ہے اس کے بہترین انتخاب کو اس نظم و سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے کہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مسلسل تصنیف بن گئی ہے۔ قومیت۔ وطنیت۔ نسلیت مسلمان کا نصب العین غیر مسلموں سے تعلقات۔ حکومت الٰہیہ کا تصور غرضیکہ یہ اور اس قسم کے اور عنوانات جن پر طلوع اسلام کے صفحات پر تفصیلی بحث ہوتی رہتی ہے اس کتاب میں حسن ترتیب سے جمع کر دئے گئے ہیں اور زاویہ نگاہ "اقبالؒ" یعنی صحیح اسلامی رکھا گیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ کتاب میں مآخذ کا حوالہ دے دیا جاتا۔ کتاب پڑھنے اور پاس رکھنے کے قابل ہے۔ (جلد مضبوط نہیں ہے)

---

## (۲) پاکستان۔ اے نیشن (انگریزی) از الہمرا

پاکستان پر انگریزی زبان میں فی الجملہ اچھی کتاب ہے بہت سے اقتباسات کی حامل اور حسن ترتیب کی آئینہ دار۔ دلائل کو اعداد و شمار سے مستحکم کیا گیا ہے۔ پاکستان سے متعلق پنجاب سے شائع ہونے والی کتابوں کا عام طور پر یہی انداز ہوتا ہے کہ اعداد و شمار سے ثابت کیا جائے کہ پاکستان کا شمالی مغربی حصہ خود مختار حکومت کے قابل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کے دلائل۔ مخالفین کے اعتراضات کا مسکت جواب ہوتے ہیں۔ کہ ان کے اعتراضات کی بنیاد ہی بالعموم یہی ہوتی ہے لیکن جہاں تک اصول کا تعلق ہے۔ پاکستان کا نظریہ ان تمام خارجی قوتوں سے بے نیاز ہے۔ پاکستان کی بنیاد اس حقیقت کبریٰ پر ہے کہ مسلمان دنیا میں حکومت الٰہیہ کے قیام و بقا کا ذمہ دار ہے اور آج ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس نصب العین کے حصول کی ابتدا پاکستان سے ہی ہو سکتی ہے۔ باقی رہے معاشی اور اقتصادی پہلو۔ سو ان کے متعلق اعتراضات بھی موجودہ نظام حکومت کو سامنے رکھ کر کئے جاتے ہیں۔ اور جوابات بھی اسی کے پیش نظر۔ حالانکہ ان اعتراضات کی بنیاد ہی غلط ہے قرآنی حکومت کا نظام بھی اپنا ہوگا اور اسی نظام کے مطابق محاصل و مخارج کی مدات کی تشکیل ہوگی۔

پاکستان کا حصول مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے اور یہ فریضہ خارجی دلائل کا محتاج نہیں۔ بہرحال یہ چیز تو ضمناً سامنے آگئی کتاب زیر نظر میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات کے لئے معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس کے لئے مرتب کی محنت حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ، جلد کے لئے شیخ محمد اشرف صاحب پبلشر (کشمیری بازار لاہور) کا نام کافی ضمانت ہے۔ ضخامت ۱۳۵ صفحات قیمت تین روپے (جس کا باعث غالباً جنگ کی وجہ سے کاغذ کی گرانی ہے)

---

## (۳) دی انڈین کانسٹی ٹیوشنل ٹینگل (انگریزی)

نوٹ:۔ صفحہ کی زیب و زینت کتاب جس میں جمیل الدین احمد صاحب (لیکچرار مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ) نے بتایا ہے کہ جنگ کے شروع سے لے کر اس وقت تک ہندوستان کی آئینی گتھی کس کس انداز سے الجھتی اور سلجھتی۔ سلجھتی اور الجھتی رہی ہے۔ مفید معلومات کا یکجا مل جانا مفید ہوتا ہے۔ یہ کتاب بھی شیخ محمد اشرف صاحب نے شائع کی ہے۔ اور بلا جلد سوا روپیہ میں انہی سے مل سکتی ہے۔

---

## (۴) الفرقان۔ ولی اللہ نمبر

بریلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ الفرقان نے اپنا خاص نمبر شائع کیا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی کارناموں سے متعلقہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اور قریب چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس مجموعہ میں حضرت شاہ صاحب سے متعلق عمدہ معلومات فراہم کی گئی ہیں اور رسالہ محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ جب سے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مراجعت فرمائے ہند ہوئے ہیں "حکمت ولی اللہی" کا عام چرچا ان کی زبان سے سننے میں آتا رہتا ہے جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ ہندوستان کی موجودہ مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتی ہے۔ چونکہ مولانا صاحب نے اس فلسفہ کی تشریح کہیں نہیں فرمائی تھی اس لئے فطرتی طور پر اشتیاق تھا کہ اس کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ زیر نظر رسالہ میں اس عنوان پر ان کا ایک مبسوط مضمون شائع ہوا ہے جس میں اگرچہ شاہ صاحب مرحوم کے فلسفہ کی تفصیل تو نہیں ہے لیکن یہ معلوم ہو گیا ہے کہ خود مولانا سندھی صاحب کا قرآن کریم کے متعلق کیا مسلک ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مضامین درج رسالہ ہیں ان میں بعض ؎

حکایتِ قدآں یارِ دل نواز کم | باین فسانہ مگر عمرِ خود دراز کم

کی تفسیر ہیں۔ الفرقان کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اور اس خاص نمبر کی قیمت دو روپے۔ کتابت۔ طباعت عمدہ ہے

## (۵) البیانؔ۔ امرتسر

### براہین وحی نمبر

گذشتہ موسم گرما میں۔ رسالہ نگار کے مدیر جناب نیاز فتحپوری صاحب نے اپنی روایتی "گرمئ بازار" کے مسلک کے مطابق اپنے پرچہ میں یہ بحث چھیڑی تھی کہ قرآنِ کریم خدا کا کلام ہے یا نہیں۔ اس پر جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ ملک بھر کے مسلمانوں کی مخالفت ان کی شہرت کا باعث بن گئی اور متعدد جرائد و رسائل میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے۔ امرتسر کی امتِ مسلمہ کے ماہنامہ البیان نے ان تمام مضامین کو (معہ چند ایک جدید مضامین کے) یکجا جمع کر دیا ہے۔ جو قریب پونے دو سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کتابت۔ طباعت عمدہ قیمت ایک روپیہ (سالانہ چندہ تین روپیہ) ہمارے خیال میں کرنے کا کام یہ تھا کہ جب جناب نیاز کی ہنگامہ خیزی سر پڑ جاتی تو اس موضوع پر (نیاز صاحب کو مخاطب کئے بغیر) ایک مفصل مضمون شائع کر دیا جاتا۔ بہرحال ان مختلف مضامین کے یکجا ہو جانے سے اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ بعد میں آنے والوں کو ہمارے دور کی علمی سطح کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس قسم کے مجموعے گھروں میں ضرور رہنے چاہئیں۔

---

## (۶) فردوسِ گم گشتہ

طلوعِ اسلام کے اپریل ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں جناب پرویز کا وہ مقالہ شائع ہو چکا ہے جو انھوں نے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن (علی گڈھ) کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔ وہ مقالہ آپ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ اس لئے تبصرہ کا محتاج نہیں۔ انجمن نے اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا ہے اور ۲ فی نسخہ کے حساب سے انجمن کے سکریٹری صاحب سے مل سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مقالہ کی عام اشاعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے بہتر ہو کہ اس کے بہت سے نسخہ منگوا کر ہر مقام پر تقسیم کئے جائیں۔ یہ انجمن مفید کام کر رہی ہے جس کے لئے اس کے نائب صدر (ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی) اور معتمد نشر و اشاعت (جناب محمد اللہ صاحب انصاری) اور ان کے دیگر رفقائے کار درخورِ تبریک ہیں۔ یہاں برسبیلِ تذکرہ ایک شبہ کا ازالہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ انجمن کی طرف سے اس پمفلٹ کا جو اشتہار شائع ہوا ہے اس میں جناب پرویز کو رکنِ ادارۂ طلوعِ اسلام لکھا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جناب پرویز طلوعِ اسلام کے مضمون نگارِ خصوصی ہونے کی حیثیت سے ہماری نگاہوں میں ایک امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں اور طلوعِ اسلام کا "شعبۂ مذہبیات" انہی کی توجہات کا رہینِ منت ہے۔ لیکن ادارات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

## منشور کا سالنامہ

مرکزی مسلم لیگ کے "سرکاری جریدہ" منشور کا یہ پرچہ اجلاسِ مدراس کی تمام تفاصیل پر مشتمل ہے۔ اور قابلِ قدر مجموعہ۔ آرٹ پیپر کی کئی تصاویر بھی شامل ہیں۔ بڑے سائز کے پچاس صفحات قیمت فی پرچہ ۸ر

مسلم لیگ کے اپنے اخبار کی ضرورت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ منشور کا اجرا ہوا تو ہر چند کہ یہ ایک ہفتہ وار پرچہ تھا۔ لیکن منتظر نگاہوں نے اس کا بڑے ذوق و شوق سے استقبال کیا۔ لیکن اس عرصہ میں محسوس یہ ہو رہا ہے کہ پرچہ کچھ "گورنمنٹ" گزٹ کی سی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ میکانکی سا پرچہ۔ آئین و ضوابط اور لیگ کے متعلق خبروں پر مشتمل۔ حالانکہ توقع تھی کہ مسائل حاضرہ کے متعلق زندگی بخش مباحث کا مجموعہ ہوا کرے گا۔ اور مسلمانوں کے موت و حیات سے متعلق جو سوال سامنے آئے گا انہیں اسلامی نقطہ خیال سے اس پر بسوط بحث ہوا کرے گی۔ منشور کے نگرانِ تحریر جناب حسن ریاض صاحب نہایت عمدہ لکھنے والے ہیں۔ منشور کے اجرا سے پیشتر لیگ سے متعلق ان کے نہایت اعلیٰ مضامین مختلف جرائد و رسائل میں شایع ہوا کرتے تھے۔ ہم ان کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ منشور کو ایک خشک۔ میکانکی "سرکاری آرگن" رہنے کے بجائے زندہ پرچہ بنانے کی کوشش کریں۔ اس میں انھیں کامیابی اور مسلمانوں کا بڑا فائدہ ہوگا۔

---

# اقبال کا تصورِ خودی

از جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب

(۲)

[اس مضمون کی ایک قسط طلوعِ اسلام کی گذشتہ اشاعت میں شایع ہو چکی ہے۔ بقیہ حصّہ اب شایع ہو رہا ہے ہمیں افسوس ہے کہ گذشتہ اشاعت میں سہواً یہ لکھنے سے رہ گیا کہ مضمون کا بقایا حصّہ آیندہ شایع ہوگا

طلوعِ اسلام ]

---

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ خالص فلسفیانہ نظریے کی حیثیت سے انسانیت کا ایک عالمگیر تصور ممکن ہے لیکن جب اس تصور کو ایک زندہ نصب العین کی صورت میں پیش کرتا ہو تو وسیع سے وسیع نظر رکھنے والا بھی اس پر مجبور ہے کہ انسانیت کی تصویر کسی خاص ملّت کے آئینے میں دیکھے۔ اقبال کے لئے ملّتِ بیضائے اسلام اس آئینے کا کام دیتی ہے۔ اُن کے نزدیک انسان کی خودی کی حقیقی تکمیل اور فرد و ملّت کا حقیقی ربط صرف اسلام ہی کے ذریعے سے ممکن ہے اس لئے کہ اسلام میں فرد اور ملّت کا رشتۂ اتحاد نسل یا وطن کا محدود تصور نہیں بلکہ توحید اور رسالت کا وسیع اور ہمہ گیر عقیدہ ہے۔

یا وطن وابستہ تقدیرِ اُمم — بر نسب بنیادِ تعمیرِ اُمم
اصلِ ملّت در وطن دیدن کہ چہ — باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ
ملّتِ ما را اساسِ دیگر است — این اساس اندر دلِ ما مضمر است

---

ص۱ نہیں! ایک ملّت کی تکمیلِ خودی سے مفہوم یہ ہے کہ وہ ملّت دنیا بھر کے انسانوں کی تکمیلِ خودی کے لئے "خمیر" کا کام دیگی۔ اس لئے ابتداء ملّت حنفیہ سے ہی ہوگی (طلوعِ اسلام)

مدعائے ما مآلِ ما یکیست — طرز و اندازِ خیالِ ما یکیست
لا اِلٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما
ملتِ بیضا تن و جاں لا اِلٰہ — ساز ما را پردہ گرداں لا اِلٰہ

---

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزار ما یک است — جزو ما از جزو ما لاینفک است
از میانِ بحر اُو خیزیم ما — مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما
دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم — در رہِ حق مشعلے افروختیم
ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست — ایں کہ یک جانیم از احسانِ اُوست
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظِ سرِّ وحدتِ ملت ازو

---

فرد کو حقیقی آزادی ملتِ اسلامی ہی کے اندر حاصل ہوئی۔ کیونکہ اسی ملت نے نوعِ انسانی کو حقیقی معنی میں حریت، مساوات اور اخوت کا نمونہ دکھایا۔ توحید کے عقیدے نے نسل و نسب کے امتیاز کو مٹا دیا۔ غریبوں کو امیروں کے اور زیر دستوں کو زبر دستوں کے تسلط سے آزاد کر کے عدل و انصاف کی حکومت قائم کی اور اسلام کے رشتے سے انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

اُمتے از ماسوا بیگانۂ — بر چراغِ مصطفیٰؐ پروانۂ
ناشکیبِ امتیازات آمدہ — در نہادِ اُو مساوات آمدہ
پیشِ قرآں بندہ و مولا یکے است — بوریا و مسندِ دیبا یکے است

---

عشق را آرامِ جاں حریت است — ناقہ اش را ساربان حریت است
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

ماسویٰ اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایۂ آبِ گلش

---

تکمیل خودی کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ نفس زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو جائے اور یہ بات بھی ملّت اسلامی کے اندر حاصل ہو سکتی ہے جو خود حدود زمانی و مکانی سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ اس کا اساس نسل و وطن کا مادی تخیل نہیں بلکہ توحید و رسالت کا روحانی عقیدہ ہے۔ نسل فنا ہو سکتی ہے، وطن کا رشتہ ٹوٹ سکتا ہے۔ مگر کلمۂ توحید کا رشتہ لافانی اور لازوال ہے۔

جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بہ جامے بستہ نیست

عقدۂ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود

حکمتش یک ملّت گیتی نورد
بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد

ہر کہ از قیدِ جہات آزاد شد
چوں فلک در شش جہت آباد شد

---

امت مسلم ز آیات خدا است
اصلش از ہنگامۂ قالو بلیٰ است

تا خدا ان یطفئو فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است

درمیاں را گرم بازاری نماند
آں جہانگیری جہانداری نماند

شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست
رونق خمخانۂ یوناں شکست

مصر ہم در امتحاں ناکام شد
استخواں او تہ اہرام شد

در جہاں بانگ اذاں بود است و ہست
ملت اسلامیاں بود است و ہست

---

ملّت اسلامی کے لئے قرآن کریم آئین حیات کا اور اخلاق محمدی اسوۂ زندگی کا کام دیتا ہے۔ آئین الٰہی

پر عمل کرنے سے اس کی سیرت میں پختگی اور آدابِ محمدیؐ کی پیروی سے حسن اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مرکز محسوس کعبہ اور اس کا نصب العین حفظ و نشرِ توحید ہے

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست
زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است

---

ملت از آئینِ حق گیرد نظام
از نظامے محکمے گیرد دوام

ہست دینِ مصطفیٰؐ دینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

---

غنچۂ از شاخسارِ مصطفیٰؐ
گل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰؐ

از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرۂ از خلقِ او باید گرفت

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

---

قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے

راز دارِ راز ما بیت الحرام
سوزِ ما ہم سازِ ما بیت الحرام

تو ز پیوندِ حریمے زندۂ
تا طوافِ او کنی پایندۂ

در جہاں جانِ امم جمعیت است
در نگر سرِ حرم جمعیت است

---

زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تست
حفظ و نشرِ لا الٰہ مقصودِ تست

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

آب و تاب چہرۂ ایام تو    در جہاں شاہد علی الاقوام تو
نکتہ سنجان را صلائے عام دہ    از علوم امّیے پیغام دہ
تا بدست آورد نبض کائنات    وا نمود اسرار تقویم حیات
در جہاں وابستۂ دینش حیات    نیست ممکن جز بہ آئینش حیات

---

یہ یک آئینی اور یک جہتی، ہم مرکزی اور ہم مقصدی ملت کو متحد کر کے ایک نفس واحد بنا دیتی ہے اور اس میں ایک اجتماعی خودی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ جسکی مجموعی قوت فرد کی خودی کو تقویت پہنچاتی ہے اور وسیع تر اور محکم تر بناتی ہے۔ ملت کا احساس خودی بھی فرد کے احساس خودی کی طرح اسی سے توسیع اور استحکام حاصل کرتا ہے کہ کارزار حیات میں عالم خارجی کی قوتوں کا مقابلہ کرے، علم کے ذریعے سے ان کی حقیقت کو پہچانے اور عمل کے ذریعے انہیں تسخیر کرے۔ عالم اسباب کو حقیر جان کر ترک کر دینا غفلت کی انتہا ہے۔ یہ فرد اور ملت کا میدان عمل اور ان کی عقل اور ارادے کی تربیت گاہ ہے۔ اگر انسان علم کی مدد سے اپنے خارجی ماحول پر غالب نہ آئے تو اس سے مغلوب ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے علم اشیاء بھی معرفت نفس کی طرح خودی کے نشوونما کے لئے ناگزیر ہے۔

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد    عالمے از ذرہ تعمیر کرد
کوہ و صحرا دشت و دریا، بحر و بر    تختۂ تعلیم ارباب نظر
اے کہ از تاثیر افیوں خفتہ    عالم اسباب را دوں گفتہ
خیز و واکن دیدۂ مخمور را    دوں مخواں ایں عالم مجبور را
غایتش توسیع ذات مسلم است    امتحان ممکنات مسلم است
کاروان رہگذر راست ایں جہاں    نقد مومن را عیار است ایں جہاں
گیر او را تا نہ او گیرد ترا    ہمچو مے اندر سبو گیرد ترا

---

جستجو را محکم از تدبیر کن    انفس و آفاق را تسخیر کن

چشم خود بگشا و در اشیا نگر — نشہ زیر پردۂ صہبا نگر
تا قوی از حکمتِ اشیا شود — ناتواں باج از توانایاں خورد
علم اشیا اعتبار آدم است — حکمتِ اشیا حصار آدم است

---

ملّت کے احساس خودی کی توسیع کے لئے علم کائنات اور تسخیر کائنات کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور اپنی روایات کی یاد کو دل میں تازہ رکھے۔ تاریخ اقوام کی زندگی کے لئے قوتِ حافظہ کا حکم رکھتی ہے حافظہ ہی وہ چیز ہے جس سے فرد کے مختلف ادراکات میں ربط اور تسلسل پیدا ہوتا ہے۔ جب خارجی حیات کے ہجوم میں اُسے "میں" یا "انا" کا مرکز ہاتھ آتا ہے تو یہی حافظہ اس احساسِ خودی کی حفاظت کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح تاریخ سے ملت کی زندگی کے مختلف ادوار میں ربط اور تسلسل پیدا ہوتا ہے اور یہی شیرازہ بندی اسکے شعورِ خودی کی کفیل اور اس کے بقائے دوام کی ضامن ہے۔ وہی قومیں دنیا میں زندہ رہتی ہیں جو اپنے حال کا رشتہ ایک طرف ماضی سے اور دوسری طرف مستقبل سے اُستوار کرتی ہیں، زندگی نام ہی اس احساسِ تسلسل کا ہے۔

---

کودکے را دیدی اے بالغ نظر — کو بود از معنیِ خود بے خبر
نقش گیر این و آں اندیشہ اش — غیر جوئی غیر بینی پیشہ اش
تا ز آتش گیری افکار اُو — گل فشاند زرچک پندار اُو
چشم گیرائش فتد بر خویشتن — دستکے بر سینہ می گوید کہ "من"
یاد او با خود شناسایش کند — حفظ ربطِ دوش و فردایش کند
ایں "من" نوزادہ آغاز حیات — نغمۂ بیداری سازِ حیات

---

ملّت نوزادہ مثلِ طفلک است — طفلکے کو در کنارِ مادر است

بستہ با امروز او فرداش نیست — حلقہ ہائے روز و شب در پاش نیست

چشم ہستی را مثالِ مردم است — سینہ را بیندہ و از خود گم است

صد گرہ از رشتۂ او وا کند — تا سر تارِ خودی پیدا کند

گرم چوں اُفتد بہ کار روزگار — ایں شعور تازہ گردد پائیدار

نقشہا بر دارد و اندازد اُو — سرگزشت خویش را می سازد اُو

قوم روشن از سواد سرگزشت — خود شناس آمد ز یاد سرگزشت

نسخۂ بود ترا اے ہوشمند — ربط ایام آمد شیرازہ بند

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو — از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

سر زند از ماضی تو حال تو — خیزد از حالِ تو استقبال تو

مشکن از خواہی حیات لازوال — رشتۂ ماضی ز استقبال و حال

موج ادراک تسلسل زندگی است — مے کشاں را شور قلقل زندگی است

---

اوپر کے صفحات میں اقبال کے تصورِ خودی کے دو پہلو آپ کے سامنے آگئے۔ ایک یہ کہ خودی کا غیرِ خود یعنی عالمِ خارجی سے، دوسرے یہ کہ اس کا نفسِ اجتماعی یعنی ملّت سے کیا تعلق ہونا چاہیئے۔ ابھی ایک تیسرا پہلو باقی ہے۔ جو ان دونوں سے زیادہ نازک اور لطیف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ فرد کا بہ حیثیت مخلوق کے اپنے خالق سے صحیح علاقہ کیا ہے؟ آپ نے دیکھا کہ خودی غیرِ خود سے ٹکرا کر اور اس کی قوتوں کو تسخیر کر کے استحکام اور توسیع حاصل کرتی ہے اپنی فطرت کے قانون کی پابندی سے یعنی توحید و رسالت کے روحانی عقیدے کی بنا پر ملت کے حبل متین مربوط ہو جانے سے پائدار اور لازوال بن جاتی ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ محدود لازوال ہستی اس ذات لایزال سے جس نے اسکو اور کل کائنات کو پیدا کیا، کیا رشتہ رکھتی ہے۔

---

اب تک اقبال کے کلام کا موضوع فلسفۂ نفس اور فلسفۂ تمدن کے مسائل تھے جنمیں جذبات کو بہت کم

دخل ہے۔ جذبات شاعری کی جان ہیں اور خشک فلسفیانہ مسائل میں جو جذبات کے کیف و رنگ سے خالی ہوں شعریت پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ اقبال کا کمال فن ہے کہ اُنھوں نے حکمت کو اپنے سوز دل کی حرارت سے شعر بنا دیا۔ یہ اُن کے حصّے کی چیز ہے جسمیں ایشیا کے قدیم و جدید شاعروں میں بہت کم ان کے ساتھ شریک ہیں لیکن اب وہ تصوف کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، جہاں واردات قلب کو تمام تصورات کا ایک ہلکا سا لباس پہنا کر الفاظ میں ادا کرنا ہے، ایک لحاظ سے یہ مرحلہ ایشیائی شاعر کے لئے سب سے زیادہ آسان ہے۔ اس لئے کہ یہ احساسات اس کی طبیعت میں رچے ہوئے ہیں اور پھر ان میں کچھ اس درجہ شعریت ہے کہ خود بخود شعر کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ مگر دوسرے لحاظ سے دیکھئے تو یہ میدان اس قدر پامال ہو چکا ہے کہ اس میں کوئی نئی راہ نکالنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اقبال کا طرزِ خیال ہی سب سے جُدا ہے۔ اس لئے اُن کے تصوف نے خود بخود اپنے لئے ایک نیا راستہ پیدا کر لیا ہے اور وہ اسی منزل کی طرف لے جاتا ہے جو ان کے فلسفہ حیات کی منزل ہے۔ یہی وہ نازک مقام ہے جسمیں روحانیت کا ذوق رکھنے والی طبیعتیں آکر کھو جاتی ہیں۔ بادۂ معرفت کے پہلے ہی جام میں علم کائنات، اور احساس خودی کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ یہ اقبال ہی کا ظرف ہے کہ عالم بے خودی میں بھی انھیں اتنا ہوش رہتا ہے کہ اس امانت کو نہیں بھولتے جو خدا نے انسان کے سپرد کی ہے۔

---

ہم نے اُوپر کہا تھا کہ طالب خودی اس مردِ خدا کی محبّت میں جو مدارج خودی میں اس سے برتر ہے، سرشار ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ٹھکانا ہے اس کیف و مستی کا جو خودی کے مبتدا و منتہا اور خالق و پروردگار یعنی خدائے تعالےٰ کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتی ہے۔ انسان اپنے دائرہ ارتقا میں خودی کے کل مراحل طے کرنے کے بعد بھی ناقص و ناتمام ہی رہتا ہے اور کمال و تمام کا وہ جلوہ جو اُسے ذاتِ مطلق میں نظر آتا ہے اس کے دل کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی کشش کا نام عشق حقیقی ہے۔ عشق کی تین منزلیں ہوتی ہیں۔ آرزو، اور جستجو، دیدار، وصل۔ قدیم صوفی شعرا کے یہاں اس تیسری منزل کا تصور یہ ہے کہ طالب مطلوب کے اندر اس طرح فنا ہو جائے۔ جیسے قطرہ دریا میں محو ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ محدود و نامحدود کے وصل کا اس کے سوا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اقبال کے نزدیک اس عشق کی صرف دو ہی منزلیں ہیں۔ پہلی منزل سوز و گداز آرزو کی ہے۔ دوسری کیف دیدار کی جو راحت

بخش بھی ہے اور اضطراب افزا بھی۔ تیسری کوئی منزل نہیں۔ لذتِ دیدار سے کامیاب ہونیکے بعد بھی نفس انسانی روح مطلق سے جدا رہتا ہے اور دردِ جُدائی سے تڑپتا ہے۔ یہی اس کی فطرت ہے اور یہی اس کی تقدیر۔

---

اب اس اجمال کی تفصیل اقبال کے کلام میں ملاحظہ ہو۔ صوفی شعرا کے نزدیک عالمِ شہود کی تخلیق کی غایت یہ ہے کہ شاہدِ مطلق اس آئینے میں اپنے جمال کا نظارہ کرے۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خود بیں (غالب)

اقبال کا بھی یہی خیال ہے:۔

صورت گرے کہ پیکر روز و شب آفرید از نقش این و آں بہ تماشائے خود رسید

فرق یہ ہے کہ اوروں کے نزدیک ماسوا محض موہوم ہے اور اقبال کے نزدیک موجود۔ غالب کہتے ہیں:۔

شاہدِ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

مگر جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اقبال کے خیال میں کائنات کے اندر حیاتِ حقیقی یعنی خودی کی قوت مضمر ہے اور اس اعتبار سے مظاہرِ کائنات محض وہم ہی وہم نہیں ہیں بلکہ کم سے کم بالقوہ وجود کہتے ہیں۔ جب یہ قوت رفتہ رفتہ ارتقاء پاکر انسان کی ذات میں شعور اور ارادہ حاصل کرلیتی ہے تو اس کا وجود نمایاں ہوجاتا ہے۔ گویا آدم دنیا میں ایک نئے دورِ حیات کا آغاز ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی نیستی کا شعور اور ہستی مطلق کی معرفت کا حوصلہ رکھتا ہے۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور خودگرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد
خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات چشم وا کرد جہانِ دگرے پیدا شد

---

یہ نیا مخلوق سوز و سازِ آرزو سے معمور ہے۔ اس کے دل میں ابتدا سے نہ صرف اپنی محدود حقیقت بلکہ

ذات ایزدی کی نامحدود حقیقت کا محرم بننے کی لگن ہے۔ وہ زبانِ حال سے کہتا ہے۔

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن — دل کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن

بہ گداز ہائے پنہاں بہ نیاز ہائے پیدا — نظرے ادا شناسے بہ حریم ناز کردن

گہے بر یکے ندیدن بہ ہجوم لالہ زارے — گہے خار نیش زن را ز گل امتیاز کردن

ہمہ سوز نا تمامم ہمہ درد آرزویم — بہ گماں دہم یقیں را کہ شہید جستجویم

---

پہلے اس کی آرزو صرف یہیں تک محدود ہوتی ہے کہ ماسوا کے پردے سامنے سے ہٹ جائیں اور شاہد مطلق کا جمال بے حجاب نظر آئے۔

چند بروئے خود کشی جلوۂ صبح و شام را — چہرہ کشا تمام کن جلوۂ نا تمام را

---

بر سر کفر و دیں فشاں رحمت عام خویش را — بند نقاب بر کشا ماہ تمام خویش را

---

اگر وہ طاقتِ دیدار رکھتا ہے تو یہ آرزو پوری ہو سکتی ہے۔ مگر صرف اس حد تک کہ کبھی کبھی حسن مطلق کی ایک جھلک نظر آتی ہے اور آناً فاناً چھپ جاتی ہے۔

نہ ایں جا ہا حجاب او را نہ آں عالم نقاب او را — اگر تابِ نظر داری نگاہے می تواں کردن

---

افلاک سے آتے ہیں نالوں کے جواب آخر — کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

---

بہ نخچیراں چہ سخن گسترم ز جلوۂ دوست — بہ یک نگاہ مثال شرارہ می گزرد

---

تو ز راہ دیدۂ ما بہ ضمیر ما گزشتی — مگر آں چناں گزشتی کہ نگہ خبر نہ دارد

مگر اس سے طالبِ دیدار کی تسکین نہیں ہوتی بلکہ اس کا اضطراب قلب اور بڑھ جاتا ہے اور اس کشمکش سے عاجز آکر وہ چاہتا ہے کہ بحرِ وجود اپنی کشش کو اور بڑھا دے اور اس کے قطرۂ خودی کو اپنے آغوش میں لے کر سکون دائمی بخشے

فرصتِ کشمکش مدہ این دلِ بے قرار را　　یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تاب دار را

---

گیسوئے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر　　ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں　　یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
تو ہے محیط بے کراں میں ہوں ذرا سی آب جو　　یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر

---

لیکن اس دیدار و وصل میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں قطرہ دریا میں مل کر اپنی خودی کو فنا نہ کر دے اور یہ بات اقبال کو کسی طرح گوارا نہیں۔

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولیٰ
نہ گیرد با من این سودا بہا از بس گراں خواہی

---

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجود من
بہ این قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

وہ ایسا وصل نہیں چاہتے جس میں قطرے کا انفرادی وجود مٹ جائے۔ لیکن ان کے خیال میں یہ اندیشہ بے جا ہے۔ دیدار و معرفت الٰہی سے خودی کی آب و تاب کم نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھ جاتی ہے۔

کمال زندگی دیدار ذات است　　طریقش زیستن از بند جہات است
چناں با ذات حق خلوت گزینی　　ترا او بیند و او را تو بینی
منور شو ز نور "من یرانی"　　مژہ برہم مزن تو خود نہ مانی

بخود محکم گذر اندر حضورش — مشو ناپید اندر بحر نورش
چناں در جلوہ گاہ یار می سوز — عیاں خود را نہاں او را برافروز

---

اگر قطرے کے دل میں کبھی اپنی کم مائگی کا خطرہ گذرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دریا کے آگے اس کی ہستی معدوم محض ہے تو خود بحر حقیقت اس کی خودی کی بقا کی ضمانت کرتا ہے۔

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید — خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ "جائے کہ دریاست من کیستم — گر او ہست حقا کہ من نیستم"
ولیکن ز دریا برآمد خروش — ز شرم تنک مائگی رو مپوش
ز موج سبک سیر من زادۂ — ز من زادۂ در من افتادۂ
بیاسائے در خلوت سینہ ام — چو جوہر درخش اندر آئینہ ام
گہر شو در آغوش قلزم بزی — فروزاں تر از ماہ و انجم بزی

اسی طرح قطرۂ ناچیز میں جوش عشق وہ ظرف پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دریا کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

در سینہ من دمے بیاسائے — از زحمت و کلفت خدائے

---

حفظ خودی کا خیال عشق کے منافی نہیں بلکہ عین عشق ہے۔ حسن کا عیار عاشق کا دل ہے اور بزم حسن کا فروغ عاشق کے دم سے ہے۔ وہ اپنی خودی کی حفاظت اپنے لئے نہیں بلکہ معشوق کی خاطر کرتا ہے۔

خدائے زندہ بے ذوق سخن نیست — تجلی ہائے او بے انجمن نیست
کہ برق جلوۂ او بر جگر زد — کہ خود آں بادۂ و ساغر بہ سر زد
عیار حسن و خوبی از دل کیست — مہ او در طواف منزل کیست
الست از خلوت ناز کہ برخاست؟ — بلی از پردۂ ساز کہ برخاست؟

اگر ما ئیم گرداں جام ساقی است  به بزمش گرمی ہنگامہ باقی است
مرا دل سوخت بر تنہائی او  کنم سامان بزم آرائی او
مثال دانہ می کارم خودی را  برائے او نگہ دارم خودی را

---

لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، محدود کا حقیقی وصل نا محدود سے یہی ہے کہ اس کے اندر محو ہو جائے۔ بندے اور خدا کا یہ وصل جو اقبال کے پیشِ نظر ہے۔ حقیقت میں وصل نہیں ہے۔ یہ ایک خاص حالت ہے جسمیں سکون حاصل نہیں ہوتا بلکہ سوز و ساز فراق اور بڑھ جاتا ہے۔

او درمن و من در وے ہجراں کہ وصالست ایں
اے عقل چہ می گوئی اے عشق چہ فرمائی

---

از خود را بریدن فطرت ماست  تپیدن نارسیدن فطرت ماست
نہ ما را در فراق او عیارے  نہ او را بے وصال ما قرارے
نہ او بے ما نہ ما بے او چہ حال است  فراق ما فراقِ اندر وصال است،

---

کبھی درد فراق میں اقبال اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسکین دیتے ہیں کہ سوز و گداز کا یہ کیف انسان ہی کا حصّہ ہے۔ خدا اس سے محروم ہے

سوز و گداز حالتے است بادہ ز من طلب کنی  پیش تو گر بیاں کنم مستی ایں مقام را

---

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی  مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

کبھی شوخی تخیل سے یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بندہ خدا کے ہجر میں بے چین ہے اُسی طرح خدا بھی بندے کے فراق میں بے قرار ہے۔

ما از خدائے گم شدہ ایم اُو بہ جستجو ست  چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں　　کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

---

بہرحال یہ جُدائی انسان کے لئے مبارک ہے۔ کیونکہ یہی اس کی خودی کی وجہ حیات ہے۔

جدائی عشق را آئینہ دار است　　جدائی عاشقاں را سازگار است

اگر ما زندہ ایم از دردمندی است　　وگر پایندہ ایم از دردمندی است

---

عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق　　وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذت طلب

---

گرمی آرزو فراق، لذت ہائے دہو فراق　　موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق

---

یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ اس نظریۂ حیات کا جو اقبال نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ فلسفی شاعر دُنیا میں ایک ایسا دل لے کر آیا جو سوزِ حیات اور دردِ کائنات سے لبریز تھا اور ایک ایسا دماغ جو زندگی کے اسرار و معارف کا محرم تھا۔ اس نے دُنیا کو ایسی حالت میں پایا کہ مشرق خصوصاً اسلامی مشرق جواب تک خوابِ غفلت میں مدہوش تھا۔ کسمسا کر کروٹ بدلنا چاہتا ہے۔ مگر غلامی کا کابوس جو اس کے دل و دماغ پر مسلط ہے اُسے ہلنے نہیں دیتا۔ مغرب جس نے اپنی بیدار مغزی سے ربع مسکوں پر اپنا سکہ بٹھالیا ہے۔ طمع و نخوت کے نشے میں چور، انقلاب کی ان قوتوں سے جو خود اس کے اندر سے اُبھر رہی ہیں، ٹکرایا چاہتا ہے[1]، اُس کا دل کڑھا ایشیا کی بے حسی اور بے بسی پر جو قیدِ ذلت میں گرفتار ہے اور کچھ نہیں کرتا اور یورپ کی ناعاقبت اندیشی پر جو قعرِ ہلاکت میں گرنے والا ہے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اُس نے ایک کی بے علمی اور دوسرے

---

[1] مضمون اکتوبر ۱۹۳۸ء میں شایع ہوا تھا۔ یہ حالت اس وقت تھی۔ آج تو یورپ ٹکرا کر پاش پاش بھی ہو گیا۔ (طلوعِ اسلام)

کی بے بصری کے اسباب پر غور کیا اور اس کی حقیقت بیں نظر سطحی چیزوں سے گذرتی ہوئی اُن تصورات حیات پر جا کر پڑی جن پر ان دونوں تہذیبوں کی بنیادیں قائم ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایشیا کے قوائے ذہنی کو ماؤف اور اس کے دستِ عمل کو شل کرنے والا نفی خودی اور نفی کائنات کا فلسفہ ہے۔ اب رہا یورپ تو اس میں شک نہیں، کہ اُس نے اثباتِ خودی کی اہمیت کو سمجھ کر میدانِ عمل میں قدم بڑھایا۔ اور فرد و جماعت کے ربط سے اپنی زندگی کو اُستوار بنایا۔ لیکن چونکہ اس ربط کی بنیاد کسی عالمگیر رُوحانی عقیدے پر نہیں بلکہ نسل و وطن کے تنگ مادی نظریے پر تھی۔ اس لئے بہت جلد اس کے اندر انتشار کی قوتیں نمودار ہوگئیں۔ صحیح نصب العین اقبال کے نزدیک، اسلام کا ہے۔ جس نے ایشیا کی روحانیت اور یورپ کی عملیت کو سمو کر دُنیا کو دین فطرت کی راہ دکھائی۔ مگر گردشِ زمانہ سے اسلام کے پیرو بھی وحدت وجود کے عقیدے کی بدولت جو نفی خودی اور نفی کائنات کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی غفلت و جمود کا شکار ہوگئے جو ایشیا کی اور قوموں پر طاری تھا۔ اس کی سزا انھیں یہ ملی کہ یورپ کی ذہنی اور سیاسی غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہو کر ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کے بعد اقبال اپنے جاں بخش اور جاں فزا نغمۂ اُمید سے ملّتِ اسلامی کو غفلت سے جگاتا ہے تاکہ وہ اس خدمت کو جو خدا نے اس کے سپرد کی ہے، پورا کرے اور دنیا کو اس رُوحانی اور مادّی ہلاکت سے جو آج چاروں طرف منڈلا رہی ہے، نجات دے۔ اقبال کی نظر مشرق و مغرب میں ایک زبردست سیاسی اقتصادی انقلاب کے آثار دیکھتی ہے۔ اور اُسے صحیح راہ پر لگانے کے لئے وہ پہلے مسلمانوں کے اور پھر کل اقوامِ عالم کے قلوب میں ایک روحانی انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ دُنیا سے اُٹھ گیا۔ مگر اس کا پیام فضائے عالم میں گونج رہا ہے۔ اور گونجتا رہے گا۔

---

# علاجِ فتنہ

(دُنیا میں فتنہ و فساد کا انسدادِ کن اُصولوں پر ہونا چاہیئے؟ اس کے بارے میں حضرت اخگر مرادآبادی سے اکثر نوک جھونک رہتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اُنھوں نے حالاتِ حاضرہ سے متاثر ہو کر اس موضوع پر ایک بلیغ رُباعی موزوں فرمائی اور مجھے لکھ بھیجی۔ وہ رُباعی اور اس کے جواب میں جو تین رُباعیاں لکھی گئیں درج ذیل ہیں۔ اسد

خود بینی کی گردن کو مروڑا نہ گیا
سرِ نخوتِ اقوام کا پھوڑا نہ گیا
نسلوں کے تکبر نے قیامت کر دی
چھینا گیا تلوار کو توڑا نہ گیا

اخگر مرادآبادی

---

اُن تک جو کبھی شرع کا کوڑا نہ گیا
زورِ اہلِ فساد و شر کا توڑا نہ گیا
مومن سے جو اُٹھ ہی نہ سکا گرزِ گراں
"سرِ نخوتِ اقوام کا پھوڑا نہ گیا"

---

آرام کا جلینا کبھی چھوڑا نہ گیا
سوئی ہوئی قوت کو جھنجھوڑا نہ گیا
نرمی کے سبب عاجز و مظلوم رہے
مغرور کی گردن کو مروڑا نہ گیا

---

مظلومی و عاجزی کا جلینا نہ گیا
اپنے ہی لہو کے گھونٹ پینا نہ گیا
ظالم کی شکست پر بھی بے بس ہی رہے
توڑا گیا تلوار کو چھینا نہ گیا

---

اسد ملتانی

# مکافاتِ عمل

دنیا حوادث و عوارض کی آماجگاہ ہے۔ وہ نگاہیں جن کی وسعتِ پرواز آب و گِل کی چار دیواری تک محدود
ہے جب ان واقعات و حوادث پر غور کرتی ہیں تو وہ مادی اسباب و علل سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ لیکن وہ لوگ
جو اس حقیقتِ کبریٰ پر یقین رکھتے ہیں کہ کارگہِ عالم ایک خاص نظام کے ماتحت مصروفِ عمل ہے یہاں کا ذرّہ
ذرّہ ایک غیر متبدل قانون کے مطابق حرکت کرتا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام واقعات و حوادث خاص اعمال
و افکار کا لازمی اور فطری نتیجہ ہوتے ہیں اور مادی اسباب و علل ان فطری نتائج کو محسوس و مشہود پیکر میں سامنے
لانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ قرآن کریم نے امم سابقہ اور اقوامِ رفتہ کے احوال و کوائف اس لئے نہیں بیان کئے
کہ وہ ایک تاریخ کی کتاب ہے یا (معاذ اللہ) اس سے داستان گوئی مطلوب ہے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ بتانا
ہے کہ دیکھو! فلاں قسم کے اعمال و نظریاتِ حیات فلاں قسم کے نتائج و عواقب پیدا کیا کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جاؤ
زمین میں پھر نکلو اور ان مِلَل گذشتہ کے اجڑے ہوئے کاشانوں پہ غور و تدبر سے گہری نگاہ ڈالو۔ ان کھنڈرات
کی ٹھیکریوں پر تم عبرت و موعظت کی ہزار داستانیں منقوش پاؤ گے۔ اس تدبر و تفکر کی تلقین کے بعد اس کی دعوتِ
ارشاد و اصلاح شروع ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ غور کرو۔ ان اقوام نے یہ کچھ کیا تو اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا اگر تم بھی
وہی کچھ کرو گے تو تمہارا بھی حشر ایسا ہی ہوگا۔ یہ نہیں کہ وہ کچھ کمزور و ناتواں تھیں اس لئے وہ قانونِ مکافات کی
گرفت میں آگئیں اور تم ان سے قوی ہو اس لئے اس سے چھوٹ جاؤ گے۔ وہ قوت و شوکت میں تم سے بھی بڑھ
چڑھ کر تھے۔

كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي
خَاضُوا ط أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ج وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ
أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۵ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَ
أَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ط أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ج فَمَا كَانَ اللَّهُ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ۹/۷۱-۷۰

(تمہارا بھی وہی حال ہوگا) جیسا ان لوگوں کا ہوا تھا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور تم سے کہیں زیادہ قوت والے تھے اور مال اور اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے پس ان کے حصے میں دنیا کے جو کچھ فوائد آئے وہ انہیں برت گئے۔ تم نے بھی اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا۔ اور جس طرح کی باتیں (حرکات) انہوں نے کی تھیں تم نے بھی کیں (سو یہ نہ بھولو کہ یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور یہی ہیں نقصان اٹھانے والے کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی۔ جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ قوم نوحؑ۔ قوم عادؑ۔ قوم ثمودؑ قوم ابراہیمؑ۔ مدین کے لوگ اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں۔ ان سب کے رسول ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے (مگر وہ لوگ سرکشی سے باز نہ آئے) اور ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا! مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

قرآن کریم نے اعمال انسانی کے اس قسم کے نتائج کا نام **عذاب** رکھا ہے۔ اس لئے کہ اگر قانونِ فطرت یعنی ضابطۂ خداوندی کے مطابق اعمال صالح کا فطری نتیجہ افضال و اکرام ہے تو غیر فطری اعمال کا نتیجہ عذاب و عتاب کے سوا اور کیا ہوگا۔ خدا کا یہ عذاب (یعنی ان اعمال کا یہ نتیجہ) مختلف شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے ذرائع و اسباب وہی ہوں گے جو دنیا کی واقعات و حوادث کے لئے ہوا کرتے ہیں۔ سورۂ **یٰسین** میں ایک مردِ **مومن** کا ذکر آتا ہے جس نے اپنی قوم کو سرکشی و عدوان کے ہلاکت انگیز نتائج سے آگاہ کیا تھا لیکن اس کی قوم نے اس کی آواز پر کان نہ دھرا اور فطرت کے اٹل قانون کے مطابق عذابِ خداوندی نے انہیں آن گھیرا۔ اس موقعہ پر فرمایا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ (۳۶/۲۸)

اور ہم نے اس (مردِ مومن) کے بعد اس کی قوم پر (عذاب کے لئے) آسمان سے لشکر نہیں نازل کیا۔ نہ ہی ہم (اس غرض کے لئے) ایسا لشکر نازل کیا کرتے ہیں۔

اس عذاب کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں اور ان میں تباہی اور بربادی کی وہ مہیب صورت بھی جو قوموں کی باہمی جنگ و پیکار کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور اس دنیا کو جہنم زار بنا دیتی ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ‎(٦/٦٥)

(اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے (فضائے آسمانی سے) کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پیروں تلے سے کوئی عذاب پیدا کر دے یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر ایک دوسرے سے لڑ پڑو اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدتِ قوت کا مزہ چکھے سو دیکھو ہم کس طرح گوناگوں طریقوں سے حقائق (آیات) بیان کرتے ہیں۔ تاکہ یہ لوگ سمجھیں بوجھیں

یہ عذاب ایسے مقامات سے آتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ جنگ کے مہیب دھماکے سے پیشتر کوئی قوم اپنے حیطۂ تصور میں نہیں لا سکتی کہ یہ گوشہ۔ جو بظاہر اتنا کمزور و ناتواں دکھائی دیتا تھا۔ ایسا کوہِ آتش فشاں ثابت ہو گا جس کی آگ ہر سامنے آنے والے کے لئے سیلابِ فنا ہو گی۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ‎(١٦/٢٦)

ان سے پہلے جو گذر چکے ہیں انہوں نے بھی (قوانین خداوندی کے خلاف) تدبیریں کی تھیں لیکن (کیا نتیجہ نکلا؟) انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں پس ان کے اوپر (انہی کی بنائی ہوئی) چھت آ گری اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

غور کیجئے یہ عذاب کس طرح سے آتا ہے؟ قوانین خداوندی سے منہ موڑنے والے حق کے خلاف ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ نظامِ الٰہیہ کے علی الرغم اپنا ایک جداگانہ نظام قائم کرتے ہیں لیکن اس عمارت (اس نظام) کی بنیادیں ریت پر ہوتی ہیں (فطرت کے اٹل قوانین پر نہیں ہوتیں) اس لئے وہ عمارت خود اپنے بوجھ سے گر جاتی ہے (وہ نظام اپنے اصولوں کے غیر فطری ہونے کی وجہ سے تہ و بالا ہو جاتا ہے) اور وہ لوگ جو اس عمارت کو ایک محکم و مضبوط قلعہ سمجھ کر بے فکر بیٹھے تھے۔ انہی ہاتھوں کی بنائی ہوئی عمارت کے نیچے دب کر تباہ ہو جاتے ہیں ؎

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا (اقبالؒ)

اس میں شبہ نہیں کہ انفرادی معصیت کوشی بھی اپنے اندر تخم ہلاکت رکھتی ہے لیکن اس کے نتائج ایسے دور رس اور عالمگیر نہیں ہوتے برعکس اس کے جب خدا فراموشی کسی قوم کے تمدن میں داخل ہو کر اجتماعی شکل اختیار کرلے اور وہ قوم برائی کو برائی ہی نہ سمجھے بلکہ معصیت اس کی نگاہوں میں مزین بن جائے (وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا) تو اس سرکشی و عدوان کے نتائج محیط کل اور اس کی آتش فشانی عالمگیر ہوتی ہے جس کی لپیٹ میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو اس فساد آمیز نظام تمدن کے خود علمبردار نہیں ہوتے لیکن اس کی روک تھام کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے سکوت و خاموشی (بلکہ انفعالیت اور اثر پذیری) کی وجہ سے اس کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ۸/۲۵

اور اس فتنے سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف انہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں سے ظلم کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے اور جان لو کہ اللہ (بدعملیوں) کی سزا دینے میں سخت ہے۔

ظاہر ہے کہ جب فساد ایسا عالمگیر ہو جائے تو معصیت کوش قوموں کی سرکوبی ایک دوسرے کے ہاتھوں سے ہی ہو سکے گی یعنی یہ عذاب کی وہ شکل ہوگی جس کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ایک قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں ہلاکت و بربادی کے پورے سامان لے کر نبرد آزما ہو جائے گی۔

وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۶/۱۳۰)

اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے

اور یوں اس نظام کے پرزے ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

---

تصریحات بالا کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ یورپ کے میدانوں میں آج آگ اور خون کی جو ہولی کھیلی جا رہی ہے اس کی صحیح علت کیا ہے؟ یورپ کا مادہ پرست جس کی نگاہ تجسس سے اٹھتی ہے تو کسی نہ کسی مادی عنصر سے ٹکرا کر واپس لوٹ آتی ہے۔ اس حادثہ محزنہ کے اسباب و علل بھی دنیائے آب و گل میں ہی تلاش کرتا ہے۔ ایک عرصہ کے آشوب چشم سے اس کی بینائی اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ وہ نہ تو حقائق کی روشنی کی

ناسب لا سکتی ہے اور نہ ہی مادی حدود و قیود سے آگے گذر سکتی ہے۔ وہ اعداد و شمار فراہم کرے گا۔ مختلف جماعتوں کے سامانِ حرب و ضرب کا جائزہ لے گا۔ جنگ کی تیاری میں کسی کے تقدم اور کسی کے تاخر پر بحث کریگا۔ عساکر کی ربط و ضبط اور میکانکی نظم و نسق کا تجزیہ و تحلیل کرے گا۔ بساطِ سیاست کے مختلف مہروں کی نقل و حرکت کو شکست و فتح کی علت قرار دے گا۔ اس کی نگاہ مجاز کے ان تمام پردوں کے نقش و نگار میں الجھ کر رہ جائے گی لیکن ان پردوں کے پیچھے عروسِ حقیقت کو کبھی بے نقاب نہیں دیکھے گا وہ یہ کہے گا کہ بارش کی شدت سے چھت گر گئی لیکن کبھی غور نہیں کرے گا کہ چھت گرنے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ عمارت کی بنیادیں ریت پر تھیں۔ اس لئے وہ عمارت کی دوبارہ تعمیر کی کبھی فکر کرے گا تو چھت کو مزید مستحکم کرنے کی تدبیر کرے گا بنیادوں کی استواری پر اس کی نگاہ نہیں جائے گی۔

لیکن وہ اربابِ بصیرت جن کی نگاہیں حقائقِ قرآن سے مستنیر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یورپ کا یہ حادثۂ المیہ یونہی اتفاقی اور یہ واقعہ محزنہ ناشدنی نہیں۔ بلکہ فطرت کے اٹل قوانین کے ماتحت ایسا ہونا ناگزیر تھا تعجب اس پر نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ تعجب اس پر ہوتا اگر ایسا نہ ہوتا۔ ببول کے بیج سے اگر خارِ مغیلاں پیدا ہوں تو اس میں تعجب کیا؟ حیرت و استعجاب تو اس وقت ہو جب اس بیج سے نرگس و یاسمین کا سیلابِ رنگ و عطر امنڈ آئے۔ یورپ نے آیاتِ اللہ کی تکذیب کی۔ اس نے قانونِ خداوندی سے سرکشی اختیار کی۔ احکامِ الہیہ سے اعراض کیا۔ نعمارِ خداوندی سے کفر و ناسپاس گذاری کا ثبوت دیا۔ اس کا فطری نتیجہ وہی تھا جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ امم سابقہ نے بھی یہی کیا تو عقوبتِ خداوندی کے ہلاکت آمیز عذاب میں گرفتار ہوئیں۔ یورپ نے بھی یہی کچھ کیا تو یہ کیسے ان اعمال کے نتائج سے بچ جاتا!؟ اور سچ پوچھئے تو اقوامِ سالقہ میں جو جرائم ایک ایک قوم میں الگ الگ تھے۔ وہ تمام کے تمام یورپ میں یکجا ہو چکے تھے۔ انہیں دیکھکر اگر ایک صاحبِ بصیرت نے یہ کہا کہ

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے

فرنگ رہگذرِ سیل بے پناہ میں ہے (اقبالؒ)

تو اس کی نگاہ نے غلطی نہیں کی تھی۔ اندازہ فرمایئے کہ جس تمدن کی بنیاد یکسر خدا فراموشی اور مادہ پرستی پر ہو اس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا! اس نظامِ تمدن و دین سیاست نے احترامِ آدمیت اور شرف انسانیت کا جس بری طرح سے گلا گھونٹا وہ محتاجِ تشریح نہیں یورپ کو گذشتہ جنگِ عظیم کی شکل میں خدا کی طرف سے انذار (WARNING) ملی تھی۔ اگر وہ اس کے بعد اپنے نظام کی اصلاح کر لیتا تو سنبھل جاتا لیکن اس نے اصلاح کی بجائے اور سرکشی اختیار کر لی۔ سو اس کا نتیجہ قانونِ مکافات کی اٹل

صورت میں سامنے آ گیا۔ سنئے اور غور سے سنیئے کہ اس قانون ابدی کا اس باب میں کیا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(۶/۴۲-۴۵)

(اے رسول) جو قومیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں ہم نے ان کی طرف (اپنے رسول) بھیجے اور انہیں (مکافاتِ عمل کی رُو سے) سختی اور محنت میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں (بدعملیوں سے باز آجائیں اور قوانین الٰہیہ کے سامنے) جھک جائیں پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو وہ (بدعملیوں سے توبہ کرتے اور قوانین خداوندی کے سامنے) جھک جاتے؟۔ اس لئے کہ اُن کے دل سخت ہو چکے تھے اور جو کچھ بداعمالیاں کر رہے تھے۔ انہیں شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا۔

اور پھر جب ایسا ہوا کہ جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اسے انہوں نے بھلا دیا تو ہم نے اُن پر ہر طرح کی (خوش حالیوں) کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان (کامرانیوں) پر خوشیاں منانے لگے جو بظاہر انہیں حاصل ہوئی تھیں (مکافاتِ عمل کا وقت آ گیا اور) ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ بس ناگہاں وہ (زندگی سے) ناامید ہو کر رہ گئے۔

تو (دیکھو) اسطرح اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والی تھی اور تمام ستائش اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

ان آیات پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ یورپ کے ساتھ بھی کچھ نہیں ہوا؟ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد انہوں نے قوانین خداوندی سے اور شدت سے انحراف برتا اور ان پر خوش حالیوں اور کامرانیوں کے دروازے اس اسلوب و نہج سے کھلے کہ باید و شاید جنکہ وہ لوگ جن کی نگاہیں قانونِ مہلت پر نہیں تھیں۔ گھبرا گئے کہ

یہ معصیت کوشیاں اور عیش و عشرت کی یہ فراوانیاں! لیکن دور رس نگاہیں خوب محسوس کر رہی تھیں کہ یہ درخشندگی چراغِ سحری کی آخری ٹمٹماہٹ ہے۔ یہ خیرگی جھوٹے نگوں کی میناکاری ہے یہ بظاہر صحت کے آثار موت سے پہلے کا سنبھالا ہے۔ وہ نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ جسم سے صالح خون ختم ہو چکا ہے اور۔

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام

یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات (اقبالؒ)

چنانچہ **مہلت** کا یہ آخری وقفہ بھی ختم ہو گیا۔ جہنم اپنی پوری شعلہ ساما نیوں سے ابھر کر سامنے آ گیا۔ (برزت الجحیم) اور چاروں طرف سے ہلاکت و بربادی کا سیلاب امنڈ آیا۔

حذر! اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں! (اقبالؒ)

---

یورپ کے اجتماعی جرائم کی فہرست طول طویل ہے اور ان کی حقیقت نکھر کر سامنے نہیں آ سکتی تا وقتیکہ ان کے نظامِ حیات کا ایک ایک گوشہ بے نقاب نہ ہو لیکن اس اجتماعی فساد کے علاوہ اخلاقیات میں بھی ان کی حالت اس پستی تک جا پہنچی تھی جس کا تصور نا ممکن ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اس ضمن میں تہذیبِ یورپ کی کچھ مثالیں پیش کریں تاکہ وہ جدت پسند حضرات۔ جو ضوابطِ خداوندی کو عہدِ کہن کی پارینہ داستانیں قرار دیتے ہیں۔ خود دیکھ لیں کہ اخلاقی عناں تابیوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بارے الحمد کہ اس باب میں ہمیں کسی تردد و کاوش کی ضرورت نہ پڑی اور پرانے کاغذات میں طلوع اسلام کے کرم فرمائے خصوصی جناب پرویز صاحب کا ایک مضمون مل گیا جو انہوں نے آج سے پانچ چھ سال ادھر۔ **مغرب کی خوفناک غلطی**

کے عنوان سے شائع کیا تھا مضمون اس قابل ہے کہ اقتباسات کی بجائے مسلسل پڑھا جائے اسے ہمارے زیرِ نظر عنوان کی ایک کڑی ہی غرض کیجئے۔ مضمون یہ ہے۔

# مغرب کی خوفناک غلطی اور اس کا ازالہ

**یورپ** نے مذہب کو نیاگ دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ جو مذہب ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا وہ تھا بھی اسی قابل کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس سے تبرّی و بیزاری کا اعلان کر دیا جائے، اس لئے کہ ایک ایسی قوم جس کی قوتِ

بازیہ قلزم مادہ پرستی میں ساحل ناآشنا، اور جس کی ذہنی جولانگاہ فضائے سائنس میں حدود فراموش واقع ہوئی ہو، ایسے خدا کو لے کر کیا کرے جس کی "شاہنشاہیت میں مرفہ الحال انسان کے لئے کوئی جگہ نہ ہو" اور جس کی بارگاہ جبروت و سطوت سے ہر جویائے علم و حقیقت کے لئے فتوے موت صادر ہو جائے، دنیائے عمل میں اس مذہب کی تعلیم انھیں آگے ہی نہیں بڑھنے دیتی تھی، اس لئے وہ اسے کاہیکاران سمجھکر اس سے کنارہ کش ہو جاتے تو اور کیا کرتے لیکن چونکہ **یورپ** کا ذہنی انقلاب نتیجہ ہوتا ہے کسی نہ کسی شدید ردعمل کا۔ اس لئے ان کی گاڑی جب کبھی کانٹا بدلتی ہے تو جادۂ اعتدال سے بہت دور جا پڑتی ہے۔ مذہب سے بیزاری اور علیحدگی کے وقت بھی ان سے یہ خطرناک غلطی ہوئی کہ بجائے اس کے کہ وہ یہ دیکھتے کہ قصور اس مذہب کا ہے جس کے مخصوص معتقدات کارزار حیات میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے، وہ نفس مذہب ہی سے بیزار ہو گئے، جس کا فطری نتیجہ یہ کہ ہر چند انھوں نے مادیات میں ایسی ترقی کی کہ تاریخ عالم کے صفحات اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں، اخلاقیات میں وہ ایسے پچھڑے کہ اس کی مثال بھی ڈھونڈے سے نہ ملے گی، اور چونکہ نظام کائنات کا دار و مدار ان دونوں قوتوں کے بروئے کار لانے پر ہے، اور یہ قوتیں ایک پرندے کے دو بازوؤں کے مشابہ ہیں (جن میں اخلاقیات یا روحانیت بمنزلہ دائیں بازو کے ہے) کہ ان میں سے اگر ایک بھی کمزور ہو جائے (چہ جائیکہ مفلوج) تو طائر فلک آشیاں گیر ہو کر رہ جائے، اور حسرت پرواز زبان حال سے کہہ رہی ہو کہ

صبا شکستہ پروں کی دعائیں لیتی جا　　جھکا دے اور ذرا شاخ آشیانے کی

لہٰذا ان مطففین اور معتدین کے عدم توازن کی وجہ سے ان کا معاشرتی نظام کچھ ایسا بے طرح متزلزل ہوا ہے کہ اب سنبھالے نہیں سنبھلتا،

ذَالِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (۴۷-۲۸)

یہ اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے خدا کو ناخوش کر دیا اور انھوں نے خدا کی رضا جوئی عمل کرنے کو پسند نہ کیا، لہٰذا ان کے اعمال غارت ہو گئے۔

**یورپ** نے تو ٹھوکر کھائی تھی، لیکن افسوس آتا ہے ان روشنخیال مسلمان حضرات پر جن کے نزدیک **یورپ** کا ہر قول فعل وحی ربانی سے بڑھ کر واجب العمل ہوتا ہے، ان کی دیکھا دیکھی انھوں نے بھی بیباکی سے کہنا شروع کر دیا کہ ہم تو کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کی نکبت و افلاس اور ذلت و مسکنت کا واحد سبب ان کا مذہب ہے، جب تک یہ اس حدیث پارینہ کو خیرباد نہیں کہتے دنیائے جدید میں ان کا کوئی قدم آگے

نہیں پڑھ سکتا" حالانکہ ان کے کامل غور وخوض، اور مکمل ریسرچ کی حقیقت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ اگر گراموفون یورپ میں رکھا ہوتا ہے اور ریکارڈ یہاں بجتا ہے۔

ع کوئی ہمیں نہ ملا جس کی وہ بہار ہیں یہ

دیکھنا یہ ہے کہ

(۱) مذہب کو چھوڑ کر یورپ کی اخلاقی حالت کیا ہوگئی،

(۲) کیا مذہب (اسلام) مادی ترقی کا مانع ہے ؟

(۳) اسلامی ترقی اور مغربی ترقی میں کیا فرق ہے ؟

مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے تہذیب اور اخلاق کے مختلف معانی ہیں، لیکن ہمارا مقصد تہذیب سے وہ نصب العین حیات ہے، جس کے ماتحت کسی قوم کے مخصوص ترکیبی عناصر شل تمدن و معاشرت، صنائع وحرف سیاستِ مدن اور تدبیر منازل متشکل ہوتے ہیں، اور اخلاق سے وہ عالمگیر مفہوم مراد ہے جو ملکاتِ فاضلہ اور عاداتِ جمیلہ کا تصور ذہن نشین کرانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے،

ہمارے" نئے اخلاقیین" (جو تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ قلوب کے لئے مذہبی اعمال وعقائد کی ضرورت نہیں سمجھتے) کا اس باب میں عروۃ الوثقیٰ یہی ہے کہ تہذیب اخلاق کے لئے سوسائٹی کے قوانین ہی کافی ہیں، لیکن وہ اس حقیقت پر نظر نہیں رکھتے کہ سوسائٹی کی نظر تو محض ان اعمال وافعال پر پڑ سکتی ہے، جو سوسائٹی کے مشاہدات میں آجائیں، لیکن قلب انسانی جو حقیقی سرچشمہ ہے ان اعمال وافعال کا، سوسائٹی کی ظاہر بین نگاہوں کی گرفت میں نہیں آسکتا اور حقیقت یہ ہے کہ اعضاء جوارح کے اعمال نظام کائنات میں اس قدر بے اعتدالی پیدا نہیں کرتے جتنے قلبی رجحانات اور ذہنی تغیرات،

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا مراد دل ہے بدل جانے سے اس کے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

مذہب اپنے آپ کو علیم بذات الصدور اور مقلب القلوب کی طرف سے پیش کرتا ہے، وہ اعمال ورسوم سے پہلے نیتوں اور ارادوں پر نظر رکھتا ہے۔ اور کسی ارادے کے عمل میں آنے سے پیشتر اس کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، مذہب اور سوسائٹی کے قوانین و تدابیر انسداد اعمال رذیلہ میں یہ ایک ایسا بین فرق ہے جو زیادہ دقتِ نظر کا محتاج نہیں۔ وفیھا بصائر للناس

علاوہ ازیں اخلاقِ جمیلہ محض عادات رذیلہ سے اجتناب کا ہی نام نہیں، بلکہ اس کے بعد اعمالِ حسنہ کا

اکتساب بھی ضروری ہے، سوسائٹی کے مسلّمات اپنی جگہ کیسے ہی صحیح و مؤثر کیوں نہ ہوں تاہم زیادہ سے زیادہ انسدادِ افعالِ شنیعہ ہی اُن کے حیطۂ امکان میں ہوگا، ملکاتِ فاضلہ کی نشوونما اور انھیں بروئے کار لانے کے لئے سوسائٹی کے پاس کون سا حربہ ہے؟ زیادہ سے زیادہ نام کی شہرت، اور نمائشِ خلق، سو جو عمارتیں ان بنیادوں پر قائم ہوں گی اس کا انجام معلوم،

مذہب صرف برائیوں سے اجتناب اور پرہیزگاری کی تلقین ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سے آگے عَمِلُوا الصّٰلِحٰت کی لازمی شرط بھی عائد کرتا ہے، وہ اگر پہلے جذباتِ خبیثہ کی حدت کو اعتدال پر لانے کے لئے "شرابِ کافوری" تجویز کرتا ہے، تو اس کے بعد تقویتِ قلب (مومن) کے لئے "شربتِ زنجبیل" بھی اس کے نسخہ میں موجود ہوتا ہے، اور مقصد ان تمام اعمالِ صالحہ کا شہرت نام نہیں بلکہ ابتغاء مرضات اللہ قرار دیتا ہے، جو تمام فانی مقاصد سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ سوسائٹی نام ہے افراد کے مجموعہ کا، اور افراد کی طبائع کا یہ عالم کہ جب کوئی عادت راسخ ہو جائے تو بلا قصد و ارادہ خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہے، اور آہستہ آہستہ اس کی برائی تک محسوس نہیں ہوتی ایسی برائیاں جب سوسائٹی کی اکثریت میں حلول کر جائیں تو ان کے عیوب نگاہوں میں کھٹکتے ہی نہیں، بلکہ تدریجاً یہی چیز جب فیشن (روشِ مروّجہ) میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کے عیوب محاسن میں شمار ہونے لگ جاتے ہیں، جب کسی برائی کی یہ کیفیت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی اصلاح اس سوسائٹی کے افراد کے ہاتھوں کیسے ممکن ہے غور سے دیکھئے تو یورپ کی تہذیب کا آج یہی نقشہ ہے، جس چیز پر انگلی رکھئے، ہمارے اخلاقیین اسے مغرب کا مخصوص تمدن کہہ کر بزعم خود اس کی تمام سیئات کو مبدل بہ حسنات کر دیتے ہیں، حالانکہ اصولاً برائی جتنی عام ہوتی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ خطرناک ہوتی جاتی ہے، چہ جائیکہ عام ہونے کی وجہ سے اسے حسنات کا لائسنس مل جائے قرآن حکیم نے بعثتِ نبوی (صلعم) کے وقت تہذیبِ عالم کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں یہی نکتہ ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی خشکی و تری، تمام روئے ارض پر فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا، کوئی چیز اپنی اصلیت پر باقی نہ رہی تھی، اور سوسائٹی میں عیوب عام ہو چکے تھے، بھلا فرمائیے ایسے میں انسانی افراد، ان افراد کے مجموعی دماغ اور ان دماغوں کے وضع کردہ قوانین، ان برائیوں کا استیصال کیسے کر سکتے ہیں؟ اس تو برتو اندھیرے[ﻟﻪ] سے

---

ﻟﻪ سورۂ نور (۴۰-۳۹) ان کے اعمال ایک بحرِ زخار میں گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح ہیں جہاں موج پر موج متلاطم ہو اور ان کے اوپر بادل، تو برتو ظلمات اور اندھیرا..........."

کے لئے ایک ایسی شمعِ ہدایت کی ضرورت ہے جس کی کرنیں سوسائٹی کے تاثرات کے رنگین فانوس سے چھن کر نہ نکلیں بلکہ اس کا تجلّٰۂ تنویر وہ سراجاً منیرا ہو جو انسانی فضاؤں سے بلند و بالاتر ہو۔

اخلاقِ رذیلہ کی تفصیل یوں تو بہت طویل ہے لیکن ان میں کچھ اجزائے مشترکہ ایسے بھی ہیں جنہیں ہر تہذیب و معاشرت نے ام الخبائث قرار دیا ہے مثلاً شراب خوری، قمار بازی اور زناکاری۔ آئیے پہلے انھیں تین عنوانوں سے اس داستانِ رنگین پر سرسری نگاہ ڈالیں اور اس تصویر کا نظارہ اپنی عینک سے نہیں بلکہ خود اہلِ یورپ کی مہیا کردہ آنکھوں سے کریں کیونکہ سب سے معتبر شہادت من اہلہا (سورۂ یوسف) ہوا کرتی ہے۔

**شراب خواری** | خمخانۂ مغرب کے متوالے اکثر کہا کرتے ہیں کہ ہمارے ... یورپ ... پیتا ہے ... سے مغربی انشاط ... کس ... سیاہ کو

وہاں تو صرف ایک آدھ گھونٹ، اوقاتِ معینہ پر محض بطورِ ٹانک (مقویات[5]) استعمال کی جاتی ہے، لیکن ذرا سنیئے کہ رندانِ بلانوش کا خود اس سے متعلق کیا بیان ہے؛

**ڈاکٹر الفرڈ سالٹر** جو ایک مشہور ڈاکٹر، ماہرِ سائنس اور حکومتِ **برطانیہ** کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، ۱۴ اکتوبر کو **گلاسکو** میں تقریر فرماتے ہوئے بتاتے ہیں کہ

وہ شراب پارٹی (لیبر پارٹی) کے اکابر کو برباد کر رہی ہے، شراب پیتے ہوئے لیبر ممبر پارلیمنٹ میں ہر رات دیکھے جا سکتے ہیں، کچھ ممبر ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو اٹھ کر سگریٹ نوشی کے کمرے میں چلے جاتے ہیں، اور وہاں جا کر اتنی پیتے ہیں کہ بدمست ہو جاتے ہیں، وزرائے سلطنت تک ایسی حالت میں پارلیمنٹ کے اندر آتے ہیں کہ کھڑے بھی نہیں رہ سکتے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے پریس کے ایک بیان کے دوران میں فرمایا کہ

"میں نام بنام ایک ایک ممبر کو بتا سکتا ہوں، بلکہ ایک بار تو میں خود ایک ممبر کو پکڑ کر موٹر تک لے گیا تھا"

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ

---

[5] ہمارے مغربی تمسال کے مجددین اُمت ای بات سے نہ لیکر شراب کو بطورِ دوائی استعمال کرنے کے جواز کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں اور (WINCARNESS) (جس میں ایک تہائی شراب خالص کی آمیزش ہوتی ہے) تو آجکل بلا تامل پی لیجاتی ہے اور بڑے بڑے معتبر حلقوں سے اس ام الامراض کے عین شفا ہونے کے سارٹیفکیٹ عطا ہوتے رہتے ہیں، ذالک رجس من عمل الشیطان۔

میں نے اسپیچ میں لیبر ممبروں کا ذکر کیا، اس سے یہ مراد نہیں کہ قصوروار صرف لیبر ممبر ہی ہیں، ہم کو غرض اپنی پارٹی سے ہے، دوسری پارٹیوں والے خود اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں"

ان کا بیان ہے کہ

"وہ جتنا خرچ دودھ، روٹی، کرایہ مکانات و دیگر اشیائے ضروری پر ہوتا ہے اس کے مجموعے سے بھی زیادہ شراب پر ہوتا ہے"

اور ایک اور سرکاری بیان کے مطابق تو تقریباً ۲ ارب ۴۳ — ۸ کروڑ روپیہ سالانہ برطانوی قوم صرف شراب پر صرف کرتی ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے، یہ جہلا کی جماعت کا ذکر نہیں، عوام الناس کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ خیر سے ان ممتاز اشخاص کا ذکر ہے جو تہذیب و تمدن کے علمبردار ساری قوم کے بہترین دماغوں کا نچوڑ، اور حکومت کے ارباب حل و عقد ہیں کہ جن کی کثرت آراء سے قومی قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں، اور جن کے وضع کردہ قوانین سوسائٹی کے قانون کہلاتے ہیں،

اور پھر یہ پونے تین ارب روپیہ سالانہ کا خرچ بھی ملاحظہ فرمایا! ان حقیقتوں کے سامنے تو مشرق کے افسانے بھی بات ہیں، مشرقی شاعر کے شہپرِ تصور نے ایسی ہی بلند پروازی کی تو یہ کہ

یہیں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے،

اور راستے ہی میں دیوالہ پٹ گیا کہ

صرف بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی،
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

لیکن مغربی اعداد و شمار کے سامنے تو عمر خیام اور حضرت ریاض کی خمریات بھی پھیکی پڑ گئیں،

اور سنیئے

**لندن** کے ایک معزز اہلِ قلم مسٹر **شیلر کرافٹ** نے حال ہی میں ایک کتاب (CLOVEN HOOF) کے نام سے شائع کی ہے جس میں اہلِ لندن کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے اصلی خط و خال نمایاں کئے ہیں، اس میں وہ رقمطراز ہیں کہ

"مینوشی کی رسم اتنی قدیم ہے اور شعر و ادب نے اسے اس قدر رنگین بنا دیا ہے کہ انگریزی قوم میں یہ عیب کوئی عیب ہی نہیں رہا، بلکہ لوگ اسے ہنر سمجھنے لگ گئے ہیں اور ایسا جوہر کہ

بغیر اس کے گویا مردانگی میں فرق ہے "

دیکھ لیجئے، عیوب کے عام ہونے سے عیب ہنر بن گیا، ڈھونڈئیے اب سوسائٹی میں مصلحین کو۔

مینوشی کی اس عمومیت سے ان کی معاشرتی زندگی پر جو جہنم زا اثر ہوا اس کا اندازہ **مسٹر میو** کے ان الفاظ سے لگ سکتا ہے، جو انھوں نے **کلکتہ "روٹیرین کلب"** کے ہفتہ وار جلسہ میں اواخر مئی ۱۹۳۳ء میں کہے، ان کا بیان ہے کہ

"واقعات طلاق کی بہت بڑی تعداد کی ذمہ داری شراب نوشی ہی پر ہے، خواہ وہ شراب نوشی افراط کی حد تک نہ بھی پہنچی ہو" (اسٹیٹسمین یکم جون)

ان اقتباسات پر ایک دفعہ اور نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ **یورپ** کی ساری

فضا کی گود میں میخانے تھرتھرائے ہوئے

دکھائی دیتے ہیں یا نہیں، جس قوم کے عناصر حیات میں ام الخبائث اس درجہ سرایت کر چکی ہو اس کے اخلاقیات کے متعلق کچھ بھی کہنا تحصیل حاصل ہے۔

**قمار بازی** | قدامت پسند مشرق اپنے عیوب و جرائم میں بھی کوئی جدت نہیں پیدا کر سکا، لیکن قربان جائیے۔ مغربی ترقی کے کہ اپنے عیوب میں اس قدر اختراعات سے کام لیا ہے کہ ان کی یکسانی تنوع سے بدل گئی ہے۔ جو جوا پاسے اور گولیوں سے خلاف قانون اور خلاف تہذیب ہے، وہی جوا جب تاش کے پتوں سے کھیلا جائے زبرج (BRIDGE) نام رکھا جائے، اور مہذب سوسائٹی کا بہترین مشغلہ بنے اس کے علاوہ کارنیوال اور گھوڑ دوڑ لاٹری اور ڈربی، اور نہ معلوم اور کیا کیا طریقے اس قدر مروج اور عام ہو چکے ہیں کہ کھلے بندوں، سورج کی شعاعوں اور بجلی کی روشنی میں قمار بازی کا اندھیر مچ رہا ہے، اور کوئی تہذیب، کوئی قانون اسے عیب قرار نہیں دیتا۔

**مسٹر ٹیلر گرانٹ** مذکور اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳ پر رقمطراز ہیں کہ

"کہ انگریزوں کا من حیث القوم جواری ہونا تو ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ میرے خیال میں اگر قمار بازی کو معصیت قرار دیدیا جائے تو ہر انگریز اس میں اپنی توہین سمجھے اور اسے غصہ آجائے تمام تو مغلیں ہم ہی ایسے ہیں جن کے ہاں بجز آتوار، گڈ فرائیڈے اور بڑے دن کے گھوڑ دوڑ سال بھر برابر ہر روز ہوتی رہتی ہے، اور اس موقع پر جو بازیاں لگتی ہیں چاہے وہ کتنی ہی قیود و شرائط کے ساتھ کیوں نہ ہوں ہر جگہ سے زیادہ کھل کر لگتی ہیں، یہ مشغلہ ہماری قوم کے ہر طبقہ کا جزو زندگی بن گیا ہے.........

خاص شہر لندن میں کوئی ایک لاکھ افراد تو ضرور ایسے نکلیں گے (علاوہ باضابطہ دلالوں اور ان کے عملہ والوں کے) جن کا ذریعہ معاش یہی ہے۔"

مذکورہ صدر کلکتہ روٹیرین کلب کے جلسہ میں مسٹر وارن بولٹن نے کہا کہ۔

"کلکتہ میں جتنے لوگ مے نوشی سے تباہ ہو رہے ہیں اس سے بڑھ کر گھوڑ دوڑ کے جوئے سے برباد ہو رہے ہیں" (اسٹیٹسمین یکم جون)

فرمائیے اب سوسائٹی کا کونسا قانون اس کا سد باب کرے گا،

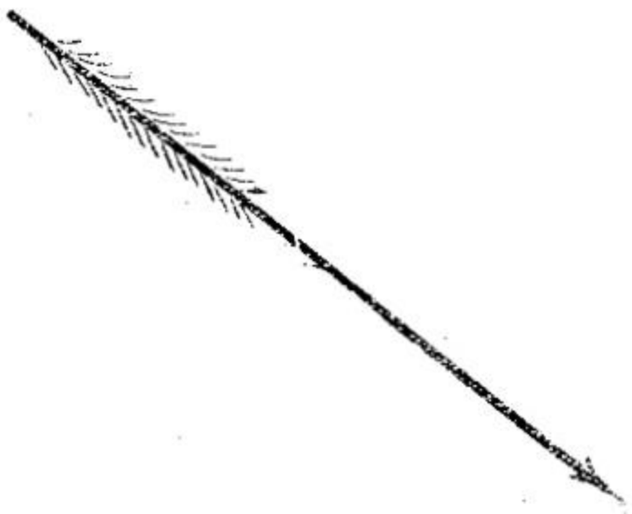

**زنا کاری** کثرت مے نوشی سے جذبات بہیمیت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ پھر خواہشات کی ناجوئی کے لئے جائز ناجائز کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے، اس پر بلحاظ تناسب عورتوں کی آبادی کی اس قدر اکثریت، پھر آزادیٔ نسواں کی وجہ سے بیوی کی کفالت اس قدر گراں کہ ایک بھلے آدمی کی متوسط آمدنی اس کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی، ان حالات کے ماتحت تدریجاً رشتۂ نکاح کی رسم ہی اٹھتی چلی جا رہی ہے، ادھر ضبط تولید کے آلات و ادویات نے رہا سہا خدشہ بھی مٹا دیا، نتائج ظاہر کہ

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

خاص شہر لندن میں عام بے عصمتی سے قطع نظر ان مخصوص کسبیوں کی تعداد، بقول مسٹر ٹیلر گرافٹ مذکور ۴۰ ہزار ہے جو باضابطہ لائسنس حاصل کئے ہوئے ہیں، ان کے محبوب مشاغل علاوہ عصمت فروشی کے یہ ہیں :

نشیلی دواؤں کا استعمال، شرفا کو دھمکا کر ان سے روپیہ وصول کرنا، مخبری کرنا، ناجائز شراب کی تجارت کمیشن وصول کرنا، اور جیب کاٹ لینا، گویا بسوا ہونا، اور جرائم پیشہ ہونا کچھ اس

طرح لازم و ملزوم ہوگیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا دشوار ہے۔ (CLOVEN HOOF) علاوہ بریں عیاشی کے غیر طبعی طریقے بے حد عام اور مروج ہو رہے ہیں، جو عورتیں عورتوں کی طرف میل رکھتی ہیں ان کی تعداد مسٹر ٹیلر کرافٹ کے الفاظ میں خطرناک حد سے زائد ہے" اسی طرح صاحب موصوف نے اس حقیقت کا بھی انکشاف فرمایا ہے کہ

"یہ تو عرصہ سے معلوم تھا کہ لندن میں خاص انہی اغراض کے پورا کرنے کے لئے مستقل عمارتیں موجود ہیں لیکن حال میں ایک مقدمہ کے دوران میں اس کا علم ساری پبلک کو ہوگیا" (ص ۹۶ - ایضاً)

اس کے بعد مصنف موصوف نے عیاشی کے ایسے مکروہ اور گھناؤنے طریقوں کا ذکر کیا ہے جن کا تصور بھی ذوق سلیم برداشت نہیں کرسکتا، صنف نازک کا جذبات پرستی کے لئے انسانوں سے گذر کر جانوروں تک پہنچنا فحش کاری کا ایسا واقعہ ہے کہ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

خواہشات کا یہ باب صنف نسواں تک ہی بند نہیں ہو جاتا بلکہ مردانہ بےحیائی کی تصویریں بھی (جو شہر سدوم کی داستانِ پارینہ سمجھی جاتی ہیں) وہاں متحرک نظر آتی ہیں، چنانچہ اس کے لئے بھی متعدد کلب اور سوسائٹیاں موجود ہیں جن کے سرپرست

"اسکولوں کے ماسٹر، گرجوں کے پادری اور اسکاؤٹ ماسٹر حضرات ہیں" (ص ۱۰۷ - ایضاً)

ان تمام تفصیلات سے مقصد یہ نہیں کہ کسی خاص فرقہ، قوم یا ملک کے اخلاقیات کی تصویر کا سیاہ رخ نمایاں کرکے ان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھار دیئے جائیں، بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب جذبات سفلی کے حدود و قیود توڑ کر انھیں آزاد نہ چھوڑ دیا جائے تو پھر سیلاب نہ پرسد کہ درخانہ کدام است" جذبات بہیمیہ کو عروہ کسی نہ کسی قاعدے اور ضابطے کے ماتحت رکھنا پڑے گا، اور وہ قواعد انسانی دماغ یا تاریخی تجارب کا نتیجہ نہ ہوں گے بلکہ اس ہستی مطلق کے مرتب فرمودہ ضوابط ہوں گے، جو انسانی سرشت اور اس کے بہاؤ سے خوب واقف ہو۔

یہ بھی نہیں کہ یہ اخلاق رذیلہ سوسائٹی کے کسی ذلیل طبقہ سے ہی متعلق ہیں بلکہ عالت یہ ہے کہ جب فواحش کاری اس حد تک عام ہو جائے، جب زندگی کا مفہوم ہی جذبات پرستی قرار پا جائے تو آہستہ آہستہ سوسائٹی سے فحش کاری کی برائیوں کا احساس اٹھ جاتا ہے **امریکہ** میں بچوں کے اخلاق کی نگرانی کی خاطر ایک انجمن قائم ہے، اس نے عدالت میں دعوے دائر کیا کہ فلاں مرد و عورت بلا نکاح رہ رہے ہیں اور اس کا اثر ان کے چہار سالہ بچے کے اخلاق پر پڑتا ہے، عدالت نے فیصلہ صادر فرمایا کہ نہیں اس سے بد اخلاقی کا کیا خطرہ، وہ تو جب تھا کہ مرد و عورت

کسی فضیحتے سے رہتے ہیں، چنانچہ قانونی نقطۂ خیال سے بھی محض زنا کوئی جرم نہیں تاوقتیکہ ان کا شمار ان امور میں نہ ہو، جو تکلیف عامہ (پبلک نیوسنس) کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح محض "تفنن طبع" کے لئے کسی غیر مرد سے آشنائی پیدا کرلینا بھی وہاں کوئی جرم نہیں۔ کیمبرج کے ایک دوکاندار کی بیوی نے ایک مقامی ڈاکٹر سے راہ و رسم پیدا کرلی، دوکاندار نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف دعویٰ دائر کردیا اور عدالت عالیہ کے جج مسٹر مسیکارڈی نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بیوی شوہر کی غلام نہیں ہے اسے بھی اپنی پسند کے مطابق مردوں سے دوستی کرنے کا حق حاصل ہے۔

جب خانگی زندگی کی یہ حالت ہو جائے تو عصمت فروش طبقہ کی آزادی کا خود قیاس فرمالیجئے، ابھی کچھ دن ہوئے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ بمبئی کارپوریشن زنانِ بازاری کو شہر سے نکال دینے کی تجویز پر غور کر رہی تھی لیکن حکومت بمبئی نے جواب دیا کہ یورپ کے بڑے بڑے متمدن شہروں نے بھی ایک عصمت فروش طبقہ کی ضرورت محسوس کرلی ہے اور وہاں بازار حسن شہر کے اندر ہی ہوتا ہے لہٰذا اگر بمبئی میں انھیں شہر بدر کردیا گیا تو یہ فیصلہ جدید تمدن کے خلاف رجعت پسندی کے برابر ہوگا۔

جب شہروں کی مہذب آبادی کی یہ حالت ہے کہ زناکاری بھی ضروریات معاشرت میں سے تسلیم کی گئی ہے، تو فوجی زندگی جو اپنے سپاہیانہ پن کے لئے پہلے ہی بدنام ہے، اس کا کیا حال ہوگا، مشتے نمونہ از خروارے سن لیجئے کہ فرانسیسی فوج کا جو حصہ "فرینچ فارن لیجن" کے نام سے نامزد اور اپنے ضبط و نسق کی سختیوں کے اعتبار سے ضرب المثل ہے اس کی جو پلٹنیں فاس میں متعین ہیں، ان میں ایک انگریز مسٹر جے مسن میک ہنری نامی پانچ سال تک ملازم رہا ہے، اس نے اپنے مشاہدات حال ہی میں شائع کئے ہیں، جنھیں وہ لکھتا ہے کہ

"یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ہم لیجن والوں کو خاص پیشہ کی عورتوں کی کوئی کمی نہیں، چنانچہ فاس (مراکش) میں ایک پورا محلہ ان سے آباد ہے جنھیں کوئی تین ہزار عورتیں ہونگی اور ہر نمونہ اور ہر قوم کی، اور چھوٹی سے چھوٹی چوکی پر بھی دو تین ایسی عورتیں ضرور رہتی ہیں"

(نشال اینڈ وڈسٹائزر - ۱۰ جون)

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پبلک ہیلتھ کمشنر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق سنہ ۲۶ء میں مرض آتشک میں مبتلا ہو کر اسپتال میں داخل ہونے والے دیسی سپاہیوں کی اوسط فی ہزار ۱۵۰۲ اور گوروں کی ۱۴۲۱ تھی۔ (ماڈرن ریویو نومبر سنہ ۳۲ء)

**ثمرات تمدن** یہ تو تھا مختصر سا تذکرہ ان تین عنوانوں کے تحت جنھیں خالصتہً اخلاق سے تعلق ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اخلاقی حالت کے علاوہ مادی ترقی کی برکات کا ان کی عام معاشرتی زندگی اور زندگی کے سکون اور امن پر

کیا اثر ہوا اگر یہ درست ہے کہ درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے، تو مذہب کو تیاگ کر جو مادی ترقی حاصل کی گئی ہے اس کے نتائج سے اس کے حسن و قبح کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے گا، سب سے پہلے یہ متعین کر لینا چاہیئے کہ انفرادی واجتماعی، ملکی وملی تگ و دو حیات اور جد و جہد زندگی سے مقصد کیا ہے؟ مادی ترقیات کا، خدا کی زمین پر بسنے والوں پر جو احسان عظیم ہے، وہ کن معنوں میں احسان ہوگا؟ ہمدردان بنی نوع انسان یعنی مفکرین امم اور مصلحین ملل نے اپنے پیہم تدبر و تفکر سے جو حیرت انگیز اکتشافات کئے ہیں، دنیا میں رہنے والوں پر ان کا کیا اثر ہونا چاہیئے، ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب اور ان تمام خوابوں کی ایک ہی تعبیر ہو سکتی ہے، یعنی یہ کہ انسان کا جو قدم اس دنیا میں اٹھے وہ اس غرض سے اٹھے کہ اس سے بنی نوع انسان کے سکون قلب اور جمعیت خاطر میں کچھ اضافہ ہو، دماغ سوچیں تو اس لئے کہ مصائب و آلام ارضی و سماوی کا حل کیا ہے اور ہاتھ اٹھیں تو اس غرض سے کہ وہ اس سیلاب بلا کو روکیں، جو نوع انسانی کے امن و مسرت کو تہ و بالا کرنے کے لئے امڈے چلے آ رہے ہیں، ترقیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس جہاں عناصر سے خوشیوں کے چشمے ابلنے لگیں، مسرتوں کے دریا بہہ رہے ہوں، سکون و تناسب کی بارشیں ہوں، طرب و سرور کی ہوائیں چلیں، سائنس کی کرشمہ نمائیاں اگر بجلی کے شرارے پیدا کریں، تو ظلم و فساد کے خرمن کے جلانے کے لئے اور مشینیں اگر آلات حرب جدید اصولوں پر مہیا کریں تو جور و استبداد کے انسداد کی خاطر، غرضیکہ ذہنی و دماغی قوتیں بڑھیں تو امن و سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے نہ کہ اس جنت ارضی کو جہنم زار بنانے کی خاطر،

تو کیا موجودہ تمدن نے یہی نتائج پیدا کئے ہیں؟ افسوس کہ واقعات اس کا جواب نفی میں دے رہے ہیں!

**امریکہ** جو آج تہذیب حاضرہ کا علمبردار اور مادی ترقیوں میں دنیا کا امام ہے، اس کی امن پسندی کی کیفیت یہ ہے کہ

سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک سال کے اندر ۱۲ ہزار قتل ہوئے ۳۵ ہزار انسان موٹروں وغیرہ کے حوادث سے ہلاک ہوئے اور ۲۰ ہزار انسانوں نے خودکشی کی۔ (ماڈرن ریویو۔ دسمبر ۱۹۳۱ء)

جرمنی علم و فضل میں آج اپنی نظیر نہیں رکھتا لیکن وہاں بھی،

سنہ ۱۹۱۳ء میں خودکشی کرنے والوں کی سالانہ تعداد ۱۳۰۷۴ تھی اور یہ تعداد ۳۲-۱۹۳۱ء میں ۱۸۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ (رپورٹر۔ ڈیلی ایکسپریس لندن۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۲ء)

یعنی جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے انسان اپنی زندگی سے تنگ آتا جا رہا ہے، جنون خودکشی کے بعد اب جرائم کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے،

سر الفریڈ وریلڈ نے برطانیہ کے عدالتی اجلاس کے افتتاح کے موقعہ پر ستمبر ۳۲ء میں فرمایا کہ

"چوری، نقب زنی، رہزنی اور تشدد کی وارداتیں عموماً بڑھتی جا رہی ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں آج قانون شکنی اس سے زائد ہے جو دو تین سال قبل تھی"

اسی طرح امریکہ میں ۲۷ء سے ۳۱ء تک کی تعداد جوڑنے سے معلوم ہوا کہ اس پانچ سال کے عرصہ میں ۱۲۰۰۶ قتل کے واقعات پیش آئے ہیں۔ اور قتل عمد ملک میں ایک فن لطیف کی حیثیت حاصل کرتا جاتا ہے"

(نیوز آف ورلڈ۔ ۱۶ اپریل ۳۳ء)

مادی ترقی کا تعلق اخلاقی اصلاح سے نہ سہی، جسمانی صحت اور دماغی قوائے میں تو کچھ اصلاح ہونی چاہیئے تھی، لیکن وہاں تو

نہ آں بیچارہ می سازی نہ ایں را ساختی

کا مضمون ہے چنانچہ

"صوبہ متحدہ کے انگریزی علاقہ میں فی لاکھ ۲۳ اشخاص دیوانے نکلے اور دیوانوں کی یہ تعداد گذشتہ مردم شماری سے بہت زائد ہے۔ لیکن اس پر بھی برطانیہ میں دیوانوں کی تعداد میں جس سرعت سے اضافہ ہو رہا ہے، اس سے یہ کہیں کم ہے۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں وہاں فی لاکھ ۴۲۸ اشخاص دیوانے تھے اور دیگر یورپی ممالک میں شرح دیوانگی اس سے بھی زائد ہے"

(لیڈر ۱۵ اپریل بحوالہ رپورٹ مردم شماری ۳۱ء)

اب اس دیوانگی کا باعث بھی ایک معتبر انگریز مسٹر ٹرنر کی زبانی سن لیجئے جو صوبہ متحدہ کی مردم شماری کے مرتب ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

"یورپی ممالک کے مقابلہ میں اس صوبہ میں دیوانگی کی کمی کا بڑا سبب وہ پرسکون زندگی ہے جو عموماً یہاں کے باشندوں کو حاصل ہے۔ ........ یہ مشہور و مسلم ہے کہ تمدن کی وسعت کے ساتھ ساتھ دیوانگی بھی بڑھتی رہتی ہے کہ اعصاب پر تمدنی حالات سے طرح طرح کا زور پڑتا ہے" (ایضاً)

یقیناً۔ اور اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ کسی شہر میں جا کر دیکھیے کہ اشیائے خورد نی و دیگر ضروریات زندگی کی دکانیں اتنی نہ ہونگی جتنی ڈاکٹروں اور دوا فروشوں کی، اب ذرا حوادث اتفاقی کا اندازہ فرمائیے،

سر لیو زاری برطانیہ کے ایک نامور مدبر ویکلی ٹیلیگراف میں رقمطراز ہیں:۔

"جس چیز کا نام ہم نے حوادثِ اتفاقی رکھ لیا ہے اس کے ذریعہ سے ہر سال ملک میں ۲۰ ہزار نفوس سڑکوں پر ہلاک ہوتے رہتے ہیں اور کم از کم ۲ لاکھ کی تعداد میں زخمی، یہ ہولناک اتلاف جان واعضا کھلا ہوا نتیجہ ہے سائنس اور انجنیری کی ترقی کا جس پر ہم نے ہر چیز کو قربان کر دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، فرض کر لیجئے کہ کسی غنیم سے ہمیں جنگ درپیش ہو اور اس میں ہر سال بیس یا بیس ہزار آدمی کٹتے اور ۷-۶ لاکھ زخمی ہونے لگیں تو ملک میں کیسی ہلچل مچ جائے (آبزرور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

ممکن ہے یہاں یہ اعتراض کر دیا جائے کہ جانوں کو بچانے کی ہی اگر فکر ہے تو پھر تو ترقی ہو چکی، پھر تو جین مت والوں کی طرح منہ پر کپڑا باندھ کر ننگے پاؤں پھرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں جو ہتیا نہ ہو جائے، لیکن یہ اعتراض غلط نگہی پر مبنی ہے، جس چیز کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ترقی کی دھن اور مشینوں کی دنیا میں مہذب انسان اس درجہ لاپرواہ ہو رہا ہے کہ اسے انسانی زندگی کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں رہا، وہ اگر پرواکرتا ہے تو اپنے آرٹ اور سائنس کی خواہ اس تزئین و تحسین میں انسانی خون کی سرخی کی آمیزش ہی کیوں نہ ہو ایک مرتبہ **انگلستان میں** یہ سوال اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش ہوا کہ "فرض کرو کہ ایک کمرہ میں ایک انسانی بچہ اور ایک یونانی سنگ تراش کا ایک نادر روزگار مجسمہ رکھا ہے، کمرہ میں آگ لگ گئی ہے اور ان دو چیزوں میں سے صرف ایک ہی چیز بچائی جا سکتی ہے تو آپ کے خیال میں کس چیز کا بچانا ضروری ہے اس کے جواب میں بڑے بڑے مقتدر دانایانِ فرنگ کی اکثریت اسی طرف تھی کہ اس مجسمہ کو ضرور بچالینا چاہیئے، کیونکہ بچے کا کیا ہے۔ بچے تو ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارا مقصد اس ترقی کے خلاف لب کشائی کرنا نہیں بلکہ محض اس ذہنیت کو منظر عام پر لانا ہے،

---

سیاستِ مدن کا نقشہ آپ دیکھ چکے، اب ذرا اندرون خانہ بھی جھانکتے چلیئے، کیونکہ اجتماعی زندگی میں تدبیر منازل بھی ترقی کا ایک خاصا معیار ہے،

**لارڈ اسٹل نے ہاؤس آف لارڈز میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ۔**

نفقہ اہل وعیال کی عدم ادائی کی علت میں، انگلستان میں ہر سال اوسطاً دو لاکھ افراد ماخوذ ہو کر عدالت میں آتے ہیں اور ۲ ہزار جیل بھیجے جاتے ہیں۔

یہ ہے حسنِ معاشرت اور نظامِ معیشت،

قدامت پسند مشرق کو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں شادی آن دیکھے، بے پرکھے آنکھ میچ کر کر دی جاتی ہے،

اس لئے اس کے نتائج خوشگوار نہیں نکلتے، اگرچہ یہ "طریق انتخاب" بھی اسلامی نہیں ہے، لیکن جس طریق افراط کو مغرب نے اختیار کیا ہے، اور وہاں جو شادیاں ٹھونک بجا کر کیجاتی ہیں، کیا واقعی خوشگوار نتائج پیدا کر رہی ہیں، اس کا جواب وہاں کے مقدمات طلاق سے مانگئے، اور جہاں طلاق کی بھی اجازت نہیں، یا اس کے حصول میں دقتیں پیش آتی ہیں، وہاں (MAINTENANCE ORDERS) (احکام نفقہ) کے قانونی شکنجہ میں جکڑے ہوئے انسانوں کی مشکلات سے اس کا اندازہ لگائیے، وہاں یہ حالت ہے کہ حسن و عشق کی داستان رنگین ابھی اپنا پہلا ڈراپ سین بھی ختم نہیں ہونے دیتی کہ اندھے کیوپڈ کے تیروں کی تلخ کامیاں شروع ہو جاتی ہیں اور دوسرے ہی دن زر مفارقت (SEPARATION ALLCE) کی ڈگری کی درخواست دینی پڑ جاتی ہے، چونکہ شادی کا یہ طریق تہذیب قانونی طور پر آسانی سے گلے سے نہیں اتارا جا سکتا اس لئے اس کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں لڑائی جاتی ہیں، چنانچہ اے جی **گارڈنر** جو اس وقت **برطانیہ** کے بہترین ارباب صحافت میں سے ہیں **جان بل لندن** کی ۱۱ فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں کہ

"برطانیہ میں ایک بیاہے ہوئے میاں بیوی ہیں، کچھ روز کے بعد ایک کا دل دوسرے سے ہٹ جاتا ہے، اور دونوں آزاد ہو جانا چاہتے ہیں، لیکن قانون کی نظر میں یہ عدم موافقت بنائے طلاق نہیں ہو سکتی، طلاق جب ہی واقع ہو سکتی ہے جب بیوی کی بے عصمتی یا شوہر کا ظلم یا بدچلنی ثابت ہو جائے قانون سے مجبور ہو کر اب ثبوت بدچلنی کی تلاش ہوتی ہے، شوہر ہوٹل میں جا کر کسی بیگانی عورت سے شب باش ہوتا ہے، اور اس کے گواہ پیدا کئے جاتے ہیں، جب جا کر عدالت کہیں اس کی گلو خلاصی کا حکم دیتی ہے، لیکن اگر اس اثنا میں سرکاری وکیل کو پتہ چل گیا کہ ساری کارروائی جعلی اور مصنوعی تھی اور وہ واقعی بدچلنی نہیں ہوئی بلکہ محض حصول طلاق کے لئے "بدچلنی دکھائی گئی" ہے، تو حکم طلاق منسوخ ہو جاتا ہے، اور پھر وہ میاں بیوی قید نکاح میں بیزار و برگشتہ جکڑے کے جکڑے رہ جاتے ہیں، یہ کوئی گڑھا ہوا قصہ نہیں بلکہ صدہا واقعات اسی طرح کے برابر ہوتے رہتے ہیں"

اسی طرح محض بیوی کے ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کر لینے کے واقعات کی خبریں بھی اخبارات میں گشت کرتی رہتی ہیں، جو فطرت کے خلاف جنگ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے، تہذیب مغرب کا سب سے بڑا معرکۃ الآرا کارنامہ عورتوں کو پردہ سے آزاد کرانا ہے، لیکن اس مسلک میں بھی ان کی وہی افراطی حالت جلوہ فرما ہوئی، پردہ اتار کر پھینکا تو اس زور سے کہ ستر حیا کے لباس بھی ساتھ ہی الجھے ہوئے ایک طرف جا پڑے، **جزائر انڈمان** کے وحشیوں

کے متعلق مغربی محققین بڑی حقارت سے لکھتے ہیں کہ

"وہ جسم کے پوشیدہ مقامات کو کسی درخت کے پتے یا کپڑے کی دھجی سے ڈھانک لیتے ہیں"

لیکن دنیائے تہذیب میں برہنہ ناچ، برہنہ سوسائٹیاں، برہنہ غسل، برہنہ آفتابی غسل، غرضیکہ بجلی کے قمقموں میں سمندروں کے کنارے آفتابی شعاعوں کے نیچے مادرزاد برہنہ، جنس حسن کی نمائش، تہذیب و تمدن کے انتہائی دور عروج کی تاریخ جریدۂ عالم پر ثبت کر رہی ہے اور پھر بڑے بڑے معزز صحائف میں بڑے بڑے شاندار عنوانوں سے اس ننگ سوز منظر کی تصاویر شائع ہوتی ہیں۔

"تہذیب جدید کی ایک نئی پیداوار "مقابلہ حسن" بھی ہے، اب ذرا اس کے خوشگوار انجام کا حال بھی سن لیجئے"، مس بارکلے ۲۶ء میں آسٹریلیا میں ملکہ حسن قرار پائیں، ۲۹ء میں زہر کھا کر خودکشی کر لی، مس ڈیوس کا ستارۂ حسن امریکہ میں چمکا، چند روز کے بعد دریا میں کود پڑیں، اور یہ لکھ کر چھوڑ گئیں کہ اب جینے کی ہوس نہیں، کنگسٹن کے ایک مشہور درزی خانہ میں ایک میم صاحبہ ملازم تھیں، تین سو پونڈ کی قیمتی پوشاک کی چوری کی علت میں گرفتار ہوئیں معلوم ہوا چھ سال قبل یہ ملکہ حسن رہ چکی ہیں، جس زمانہ میں مس پیرس پیرس میں وارد ہوئیں، عین اسی ہفتہ ایک سابق ملکہ حسن نے زہر کھا کر مالدیویا میں خودکشی کر لی، وارسا کے مقابلہ حسن میں دائزنکس جب منتخب نہ ہو سکیں تو بندوق سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

یہ واقعات افسانے نہیں ہیں بلکہ ایک انگریز خاتون **مارگیرٹ گریے** نے **ڈیلی ایکسپریس** مورخہ ۲۸ ستمبر ۳۲ء میں شائع کئے ہیں، جو خاتمے پر لکھتی ہیں کہ

"امید ہے اس سے میری ہی لڑکیاں نہیں بلکہ ہر ماں کی لڑکیاں سبق لیں گی"

**یورپ** کو بڑا فخر یہ تھا کہ اس نے صنف نازک کو مساوی نہیں بلکہ مردوں سے بھی زیادہ حقوق دے رکھے ہیں، جس کی وجہ سے عورتیں بلا محابا اپنی فطری نزاکت اور جنسی لطافت کو چھوڑ چھاڑ کر مردانہ وار ان شعبہ ہائے حیات میں داخل ہوئیں، جو مردوں کے لئے مخصوص تھے، اور ہمارے ہاں کے مقتدی حضرات بھی ہماری اقتصادی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی بتاتے تھے کہ ہماری معاشی زندگی کا بہترین نصف حصہ (THE BEST HALF) عضو معطل ہے، لیکن **یورپ** نے تجربہ کے بعد جو نتائج حاصل کئے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں،

**ڈیلی ایکسپریس** اپنی ۲ جون کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

"ہٹلر (وزیر جرمنی) نے بیک گردش قلم عورتوں کو ان کے اصل مقام یعنی گھر گرہستی کی طرف واپس کر دیا ہے، اس نے فرمان جاری کر دیا ہے کہ یکم اگست تک کم از کم ½ لاکھ عورتیں کارخانوں کی ملازمتیں چھوڑ کر گھروں کو واپس چلی جائیں، خواہ بیوی کی حیثیت سے، خواہ خادمہ کی حیثیت سے"

یہی اخبار اپنی ۶ جون کی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ

"امریکہ کی عورتیں اس وقت ایک بڑے نازک دور سے گذر رہی ہیں، جنگ کے زمانہ میں جن عورتوں نے کارخانوں میں کام کرنا شروع کر دیا تھا وہ اب مجبور کیجا رہی ہیں کہ بے روزگار مردوں کے لئے جگہ خالی کریں، کفایت عامہ کی لہر نے ملک کے بہت سے گھرانوں کو ویران کیا، اور اس کے بعد اب ہر طرف سے یہ نعرہ لگنا شروع ہو گیا ہے، کہ عورت کی جگہ اس کا گھر ہے"۔

اسی طرح اگلے دنوں امریکہ کی سیاحت کے دوران میں اخباروں کے نمایندوں نے جب برٹانوی شاہ سے دریافت کیا کہ عورتوں کو حق رائے دہندگی ملنا چاہیئے یا نہیں تو اس نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، انگلستان میں عورتوں نے الیکشن کو ایک مذاق بنا دیا ہے"

یورپ اب اپنی اس حماقت کو محسوس کر چکا ہے جو اس نے عورتوں کو حدودِ فطرت سے آگے بڑھا دینے میں کی اور اب عورت کو واپس بلانا چاہتا ہے، لیکن اسے جناب کنفیوشس کا یہ قول یاد نہیں کہ عورت کا جو قدم ایک دفعہ آگے بڑھ جائے، اسے واپس لانا تو شاید قدرت کے بھی بس میں نہیں رہتا۔

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ صنفِ نازک کا جس قدر احترام یورپ کرتا ہے، اور ان کیلئے ہمدردی کے جو جذبات وہاں مردوں کے دل میں موجود ہیں، مشرق اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا، اور ان کا یہ احترام اور ہمدردی محض عورت کے عورت ہونے کی حیثیت سے ہے، فی الواقعہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا تھا، لیکن مہذب انسانوں کی اس لمعہ کاری کا راز بھی انہی کی ایک محترمہ نے کھول کے رکھ دیا، واقعہ دلچسپ ہے، ملاحظہ فرمائیے،

انگلستان کی ایک ۲۶ سالہ شوخ و شنگ نوجوان حسینہ کو ایک مذاق سوجھا، اور اخبارات میں فرضی نام سے یہ اطلاع شائع کرائی،

"میری عمر ۵۶ سال کی ہے، میں ہمیشہ بیمار رہتی ہوں، کیا کوئی خدا کا بندہ کسی رحمدل ڈاکٹر سے روشناس کرا سکتا ہے جو میری بیماری کا علاج کر سکے"

اس اعلان کے جواب میں صرف ۱۸ خطوط موصول ہوئے، جن میں زیادہ تر خطوط گرجوں کے پادریوں اور شفاخانہ

کی بوڑھی نرسوں کے تھے، اس کے چند روز بعد اسی عہدہ جونے اخبارات میں یہ اعلان شائع کرایا،

"میں ایک نوجوان خوش جمال لڑکی ہوں اور تمام دنیا کا حشر کرنا چاہتی ہوں، مجھے ایک ایسے رفیق سفر کی ضرورت ہے جو میرا ہم عمر ہو، لڑکا ہو یا لڑکی اس کی کوئی قید نہیں، لیکن خوش جمال اور خوش مذاق ہو"

بس اب کیا تھا، صنف نازک کی مصیبت کے وقت کام آنے کے لئے مہذب انسانوں کے سینہ میں ہمدردی کے جذبات موجزن ہو گئے، ڈاک کا ایسا تانتا بندھا کہ ایک ہفتہ کے اندر گیارہ ہزار دو سو اکتیس خطوط کا ڈھیر لگ گیا

سرمن فدائے راہے کہ نگار خواہی آمد

ان خطوط کے ڈھیر میں صرف ۱۳۱۷ خطوط عورتوں کے تھے، باقی قریب گیارہ ہزار خطوط نوجوانوں کے جنہیں سے اکثر نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ

آپ تنہا سفر فرمائیں گی یا والدین بھی ہمراہ ہونگے؟ میری رفاقت کی شرط یہ ہے کہ والدین ہمراہ نہیں یہ ہے اس ہمدردی نسواں کا نمونہ جسے یورپین اخلاق کا طغرائے امتیاز کہا جاتا ہے،

جب گھر میں یہ حالت ہے تو باہر کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، چنانچہ تہذیب جدید کا یہ اثر صرف خاک پاک یورپ تک ہی محدود نہیں، بلکہ جہاں جہاں بھی ان مہذب انسانوں کے قدم و میمنت لزوم گئے ہیں، خیر سے بداخلاقی کے شجر خبیثہ کا تخم ساتھ ساتھ بوتے چلے گئے ہیں۔

**ڈاکٹر ایڈورڈ ویسٹر مارک** اپنی مشہور کتاب "بنی نوع انسان کے مکاح کی تاریخ" میں ضمناً لکھتے ہیں کہ :-

"ایک قاعدہ عام جس کی کوئی استثنا نہیں ہے یہ ہے کہ اگر کالے آدمیوں (آسٹریلیا کے اصلی باشندوں) کا ایک گروہ سفید آدمیوں (یورپین) کی آبادی سے دور پایا جاتا ہے تو موخر الذکر جو زیادہ تر تاجر ہوتے ہیں محض بداخلاقی کی غرض سے ان دیسیوں سے دوستی پیدا کر لیتے ہیں قبل اس کے کہ ان دیسی باشندوں میں ہیبت ناک بداخلاقیاں عام ہوں، میں ان سے ملا ہوں اور ان میں رہ چکا ہوں اور میں بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ ان کی برائیاں تمام تر سفید آدمیوں کی بداخلاقیوں اور ان کی شراب خواریوں کا نتیجہ ہیں مسٹر کیر کا قول ہے کہ سفید آدمیوں کے داخل ہونے سے پہلے علاقہ وکٹوریہ کے اصل باشندے عام طور پر اپنی بیویوں اور بیٹیوں کی عفت و عصمت کو قائم رکھتے تھے، مگر پھر نہیں رکھ سکے"

گویا جسے جہالت و وحشت، بہیمیت و بربریت کہا جاتا ہے، اس میں تو پھر اخلاقی حالت اچھی تھی، لیکن اس ظلمت کدہ میں جب تہذیبِ جدید کی بجلی پہنچی تو اور بھی اندھیر ہو گیا، معلوم نہیں وہ اخلاقی نقطۂ نظر سے اپنی "وحشت و بربریت" ہی میں اچھے تھے یا اس تہذیبِ جدید کی روشنی سے منور ہونے کے بعد!

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

---

جس تہذیب و سوسائٹی کا دھندلا سا خاکہ یہ ہو اس میں جو سکون و طمانیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے آج میدانوں پر پہاڑوں پر، خشکی پر، پانی پر، تحت الثریٰ سے اوجِ ثریا تک انسانوں کو اقتدار حاصل ہے، لیکن با ایں ہمہ تسخیر و تجبر اور با ایں ہمہ غلبہ و استیلا، انسانی دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے، کسی ایک دل میں بھی اطمینان و امن کی رحمت نظر نہیں آئے گی کشاکشِ حیات اس قدر صبر آزما ہو چکی ہے کہ انسانوں کی اکثریت اس عذابِ الیم سے موت کو بہتر سمجھتی ہے، انفرادی حالت دیکھنی ہو تو اپنے اپنے قلب کا جائزہ لیجئے اور گنیے کہ چوبیس گھنٹوں میں کتنے تانیے طمانیت کے گذرتے ہیں، اجتماعی حالت کا اندازہ لگانا ہو تو یورپ اور امریکہ کے اربابِ بست و کشاد کی سراسیمگی کو توجہ میں لائیے، کہیں (PEACE CONFERENCES.) ہو رہی ہیں، کہیں امن سبھائیں بن رہی ہیں لیکن

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی (اقبالؒ)

بجلی کے پنکھے، پروں کے تکیے، حریر و اطلس کے گدیلے، فرشِ مخملیں، کمخواب کے پردے، مزین چار دیواری، مرصع چھت، پائیں باغ، اور باغ میں سرسبز و شاداب پودے، خوشنما پھول، آبِ جو اور اس میں ڈلے چاندی سونے کے برتن، غلمانِ مخلدون، نازک اندام حسینانِ برق وش، لذیذ و نفیس کھانے، موٹر، ریل، ہوائی جہاز، سینما، تھیٹر، رقص گاہیں، ٹیلی فون، لاسلکی، غرضیکہ تفریح و تفنن، سہولیت و عیش پسندی کے حسین و جمیل اسباب میسر ہیں، ضروریاتِ زندگی کے اعلیٰ ترین معیار کے وسائل موجود ہیں لیکن اس گرد و پیش، اس ماحول اس جنتِ ارضی میں پھرنے والا انسان، آہ بدنصیب انسان، اپنے دل کی انتہائی گہرائیوں پر جب نگاہ ڈالتا ہے تو اسے اس میں اطمینان کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر نہیں آتا جو ایک مزدور کو مزدوری مل جانے کے وقت نصیب ہوتا ہے اس عالمگیر فقدانِ اطمینان و امنیت کے اسباب کو ڈھونڈنے کے لئے دنیا کے بہترین دماغ جمع ہوتے ہیں چھیاسٹھ اقوامِ عالم کے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، دنیا کی نگاہیں ایک مداوا کی تلاش میں ان کی طرف

اٹھی ہوتی ہیں مگر نظر آتی ہے،

نشستند و گفتند و برخاستند

کھوئے ہوئے اطمینان، لٹی ہوئی دولت اور غارت شدہ امن و سکون کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس میں شبہ نہیں کہ فنون لطیفہ کی ترقیاں تاریخ کو شرما رہی ہیں، ایک ہالی وڈ (فلم ساز خطۂ مقدس) میں ایک ہفتہ میں جس قدر خرچ ہوتا ہے، شاید مغلیہ سلطنت کے "رنگیلے" عمر بھر بھی اتنی دولت نہ دیکھ سکے ہوں کیلی جون بلینیٹ کو چھ ہزار پونڈ فی ہفتہ تنخواہ مل رہی ہے، لیکن یہ سب کچھ سعدی مرحوم کی بوستان کی اس حکایت کی یاد دلاتا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ

خانہ از پائے بست ویران است  خواجہ در بند نقش ایوان است

مقصد اس تمام تشریح و تفصیل سے یہ نہیں کہ ان تمام خرابیوں کی ذمہ دار مادی ترقی ہے، اور ہم مادی ترقی کے مخالف ہیں، بلکہ صرف اس قدر کہ جو مادی ترقی اخلاق کو نظر انداز کرکے حاصل کی جائے گی اس کا لازمی اور فطرتی نتیجہ یہی ہوگا، اور جس دنیا میں خدا کی حکومت سے سرکشی ہوگی اس کی جنت میں بھی وہ آگ ہوگی کہ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ رہے ہونگے،

---

یہ ہے جناب پرویز کے مضمون کا ایک حصہ جو انھوں نے ۱۹۳۴-۳۵ء میں لکھا تھا۔ انھوں نے اپنے مضمون میں تین عنوان قائم کئے تھے۔

(۱) مذہب کو چھوڑ کر یورپ کی اخلاقی حالت کیا ہو گئی!

(۲) کیا اسلام مادی ترقی کا مانع ہے؟

(۳) اسلامی ترقی اور مغربی ترقی میں کیا فرق ہے؟

ہمارے اس مضمون کا تعلق چونکہ شق اول تک سے ہی ہے اس لئے ہم نے اتنا حصہ ہی نقل کیا ہے اس سے آپ نے اندازہ فرما لیا ہوگا۔ کہ یورپ کی اخلاقی حالت کیا ہو چکی تھی گذشتہ جنگ عظیم فی الواقعہ ان کے لئے تنذیر ( WARNING ) تھی۔ افسوس کہ انھوں نے اس سے عبرت حاصل نہ کی اور آج ان کی یہ حالت ہو گئی۔ یورپ نے جس قدر مادی ترقی کی تھی اس کے اجتماعی محاصل آج جس بے دردی سے وہاں تباہ ہو رہے ہیں۔ کونسی آنکھ ہے جو اس پر خون فشاں نہیں انسان نے صدیوں سے جو علمی و مادی متاع

جمع کی تھی وہ اس طرح بے محابا برباد ہو رہی ہے کہ اس کی بازآفرینی کی کوئی شکل باقی نہیں رہی۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں جلیل القدر عجائب گھر نایاب نوادرات۔ بے بہا کتب خانے، بایۂ ناز درسگاہیں۔ اختراعات و ایجادات کے سرمائے سب ایک ایک کر کے راکھ کا ڈھیر بنتے چلے جا رہے ہیں اور ان سب پر مستزاد یہ کہ انسان کا خون کس قدر طوفان کے پانی کی طرح بہے چلا جا رہا ہے۔ بوڑھے۔ بچے۔ عورتیں۔ محارب و غیر محارب سب ہوس خون آشامی کی تسکین کا سامان بن رہے ہیں۔ توبہ توبہ۔ عذاب اور اس قدر عبرت انگیز عذاب! گرفت اور کیسی محکم گرفت (إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ) کونسا حساس قلب ہے جو نوع انسانی کی اس عالمگیر مصیبت کے جلد از جلد ختم ہو جانے کے لئے نم بہ چشم اور دست بدعا نہ ہوگا۔ لیکن مشکل اندر مشکل یہ کہ یورپ میں جو لوگ اس مصیبت کو ختم کر دینے کے متمنی ہیں۔ ان کے پاس اس کا صحیح علاج کوئی نہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے محض ایک مادی نظام کی خرابی کو اس کی وجہ قرار دیا اور اس کا علاج مادیات کے اندر ہی ڈھونڈھنا چاہا۔ نہ وہ تشخیص صحیح ہے نہ اس کا یہ علاج۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ یورپ نے خدائی نظام زندگی کی جگہ انسانی نظام کو اپنے اوپر مسلط کر لیا۔ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا ایک اور صرف ایک ذریعہ ہے کہ وہ انسانی نظام کی جگہ خدائی نظام زندگی کو اپنا نصب العین قرار دیں۔ خود یورپ کے بعض مفکرین نے بھی اس مشکل کا احساس کیا ہے اور قوم کو مادیت سے خدا پرستی کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کر رہے ہیں چنانچہ برطانوی مفکر لارڈ سالسبری نے اپنی ایک تقریر میں کہا ہے۔

"ہم مسیحی دنیا کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالیں، اخلاقی زبوں حالی کا ایک درد انگیز منظر ہمارے سامنے آتا ہے یہ منظر اتنا خوفناک، تاریک اور دہشت انگیز ہے کہ اس کو دیکھکر اصلاح حالات کی امید بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ فریب کاری اور جھوٹ وقت کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ہے ناجائز اور شرمناک جنسی تعلقات اور بے ایمانی کی اس درجہ گرم بازاری ہے کہ اب ہم ان انسانیت سوز حرکات و افعال سے کسی قسم کی اجنبیت نہیں محسوس کرتے جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے۔ ادبیت نفس پرستی اور حرام کاری کا غلبہ نظر آتا ہے ..... یورپ کو اس بات کا فخر ہے کہ اس نے اپنی آغوش میں دنیا کے بہترین دماغوں کی پرورش کی ہے لیکن کیا وہ کوئی ایسا روحانی لیڈر بھی پیدا کر سکتا ہے، جو اس ہولناک تاریکی کو شکست دیکر گم کردہ راہ انسانیت کو مذہب اور خدا کی راہ پر لگائے۔ آج اس حقیقت سے کون انکار

کر سکتا ہے کہ اربابِ کلیسا نے وقت کی سب سے بڑی مشکل کے سامنے سپر ڈال دی ہے۔ ان کی ناکامی نہایت دردناک ہے۔ پتہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک پروردگار کائنات خود رحمت و کرم کی ملکوتی افواج کے ساتھ اس زمین پر نہ اترے انسانیت کے مصائب و آلام کا خاتمہ ناممکن ہے۔ روح انسانیت نفرت و حقارت۔ حرص و ہوس اور خوف و دہشت کی استیلاء سے پامال ہو رہی ہے اور کوئی نہیں جو اس تباہی سے اس کو بچاسکے۔" ( ایمان ۲۰ )

کس قدر مقدس ہیں یہ تمنائیں لیکن کیسا حسرتناک منظر! اربابِ کلیسا نے اگر آج وقت کی سب سے بڑی مشکل کے سامنے **سپر ڈال** دی ہے تو وہ سچے ہیں۔ ان کے پاس خدا کا وہ ضابطۂ قانون موجود نہیں جو ایسی مشکلات میں ان کی رہبری کر سکے، جسے وہ خدا کا پیغام کہہ کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کے متعلق خود انہیں علم و اعتراف ہے کہ وہ بھی خالص خداوندی پیغام نہیں اس میں ذہنِ انسانی کی آمیزش ہو چکی ہے۔ اس لئے لارڈ سالبسری یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج وقت وہ آچکا ہے کہ

"جب تک پروردگار کائنات خود رحم و کرم کی ملکوتی افواج کے ساتھ اس زمین پر نہ اترے انسانیت کے مصائب و آلام کا خاتمہ ناممکن ہے۔" اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ معاملہ واقعی انسانوں کے بس کا نہیں رہا۔ رحمتِ خداوندی ہی اسے سلجھا سکتی ہے۔ لیکن لارڈ سالبسری کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح خدا کا عذاب انسانوں کی طرف سے مخصوص اعمال و نظامِ حیات کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی رحمت بھی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ اور وہ شرائط یہ ہیں کہ زندگی کے نظام کو انسانی ضابطۂ قوانین کے بجائے خداوندی ضابطۂ قوانین کے ماتحت لایا جائے۔ آج دنیا میں یہ ضابطۂ قانون قرآن کریم کے باہر اور کہیں نہیں مل سکیگا یورپ آج اپنے مادی نظام کی جگہ اس خدائی نظام کو شمعِ زندگی بنائے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح پروردگارِ کائنات خود رحمت و کرم کی ملکوتی فوج کے ساتھ اس زمین پر اتر کر نزول اجلال فرماتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یورپ میں آج جو قیامت صغریٰ بپا ہے وہ اس کی ہلاکت و بربادی کے متعلق آخری فیصلہ خداوندی ہے یا ابھی "توبہ" کی گنجائش باقی ہے اگر وہاں بازآفرینی کی گنجائش باقی ہے تو یقین کیجئے۔ جو قوم اپنے آپ کو خدا کے قریب لے آئیگی۔ وہی بچے گی۔ باقی سب فنا ہو جائیں گے۔ اس عذابِ خداوندی سے نجات کی اور کوئی صورت نہیں۔ جو قوم آج قرآن کو اپنا نصب العین حیات بنالے گی وہ نہ صرف یہ کہ اس ہجوم مصائب سے ہی بچ جاوے گی۔ بلکہ اس سے دنیا کی امامت کا کام لیا جائے گا لیکن سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ آج یورپ

کو قرآن سے کون روشناس کرائے۔ یہاں پہنچ کر ہماری نگاہیں جھک جاتی ہیں ——————— اور فرطِ ندامت سے ایک سکوت طاری ہو جاتا ہے لیکن اس شکست خوردگی و ناامیدی کے عالم میں پھر یہ یقین زندگی بخش ہو جاتا ہے کہ خدا کا یہ پیغامِ آخریں نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے دنیا میں موجود ہے معطل قانون بن کر رہنے کے لئے اسے محفوظ نہیں رکھا گیا۔ اسی لئے جس نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ وہ اس کو زندہ قانون بنانے کا بھی سامان پیدا کرے گا۔

مشرق خراب و مغرب ازاں بیشتر خراب
عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجو ست

ساقی بیار بادہ و بزمِ شبانہ ساز
ما را خرابِ یک نگہِ محرمانہ ساز!

(اقبالؒ)

---

# حقائق و عبر

## معلوم تو ہو آپ کیا ہیں؟

آج تک سب سے بڑا مشکل معمہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ "شتر مرغ" کس نوع سے تعلق رکھتا ہے لیکن سیاست حاضرہ نے اس سے بھی کہیں بڑھ کر مشکل معمہ یہ پیش کر دیا کہ "گاندھی جی کیا ہیں" ہندوستان میں سب سے اہم مسئلہ ہندو مسلم کا اتحاد ہے۔ اور اس مسئلہ کے حل کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی معمہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ کہ "گاندھی جی کیا ہیں" ظاہر ہے کہ وہ یہ تو کہنے سے رہے کہ وہ مسلمان یا عیسائی۔ سکھ یا پارسی ہیں۔ اگر یہ نہیں تو لامحالہ وہ ہندو ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ ہندوؤں کا نمائندہ ہونے سے ہمیشہ انکار کر دیتے ہیں اور یہیں پہنچکر "ہندو مسلم اتحاد" کے مسئلے کی گاڑی رک جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں پھر یہی ہوا۔ سر تیج بہادر سپرو نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ کیا آپ ہندو مسلم مفاہمت کے بارے میں فریق ثانی کے کسی نمائندہ سے بات چیت کرنے پر تیار ہیں؟ انھوں نے بلا تامل جواب دیا کہ آج سے؟ میں تو ایک مدت سے اس کے لئے تیار چلا آرہا ہوں لیکن ہندوؤں کی طرف سے کوئی نمائندہ بن کر تو آئے! سر سپرو نے دل میں سوچا ہوگا کہ

تھا کام تو مشکل مگر آسان نکل آیا

انہی کے متعلق شبہات پیدا کئے جاتے تھے کہ یہ مفاہمت کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اور یہ تو اتنی آسانی سے تیار ہو گئے؟ انھوں نے خوشی خوشی گاندھی جی کو لکھا کہ لیجئے! سرکار کام ہو گیا مسٹر جناح بالکل آمادہ ہیں آئیے تشریف لائیے آمنے سامنے باتیں ہو جائیں گی۔ معاملہ صاف ہو جائے گا لیکن آپ کو معلوم ہے گاندھی جی نے کیا کہا؟ یہی جو وہ شروع سے کہتے چلے آرہے ہیں۔ آپ نے جواب میں لکھا۔

"قائد اعظم مجھ سے ہندوؤں کے نمائندہ کی حیثیت سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا میں ہندو جاتی کا نمائندہ نہیں ہوں۔ میں تو ہندو مہاسبھا کا ممبر تک بھی نہیں ہوں (اسٹیٹمین ۵/۴۱)

اب سوال یہ ہے کہ اگر گاندھی جی ہندوؤں کے نمائندہ نہیں ہیں تو پھر اور کن کے نمائندہ ہیں۔ مسلمانوں کی نمایندگی کے متعلق خود ایک ہندو کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

دو جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ یہ حقیقت اب شکوک وشبہات کی سطح سے بلند ہو چکی ہے کہ ان کی نمایندہ مسلم لیگ ہے مسلم لیگ کو آج ہندوستان کی ایک چوتھائی آبادی کی نمایندگی حاصل ہے" (مسٹر ایم۔ این۔ رائے کا انڈی پنڈنٹ انڈیا ۱۱ ۵/۴۱)

اب رہے ہندو سو انھی اگلے دنوں "یو۔ پی ہندو کانفرنس" نے حسب ذیل الفاظ میں ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے۔

"ہندو کانفرنس کا یہ عظیم اجلاس واضح اور پرزور الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ہندوؤں کی نمایندہ جماعت صرف ہندو مہاسبھا ہے۔ اور کانگریس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ ہندوؤں کی نمایندگی کا دعوےٰ کرے (انڈی پنڈنٹ انڈیا ۲۷ ۴۱)

مسلمانوں کی نمایندہ جماعت مسلم لیگ۔ ہندوؤں کی نمایندہ جماعت ہندو مہاسبھا۔ اب خدا ہی جانے کہ یہ کانگریس "کس" کا شتر مرغ کیا ہے؟

---

ایک بات اور بھی دلچسپ ہے گاندھی جی نے اپنے محولہ صدر خط میں لکھا ہے کہ "میں ہندو جاتی کا نمایندہ نہیں ہوں۔ میں تو مہاسبھا کا ممبر تک بھی نہیں ہوں"

یعنی انھیں خود تسلیم ہے کہ جو شخص جس جماعت کا ممبر تک نہ ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس کی نمایندگی کا دعوےٰ کرے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ گاندھی جی کانگریس کے ممبر تک نہیں لیکن بایں ہمہ کانگریس کی نمایندگی کے جملہ حقوق انہی کے حق میں محفوظ ہیں۔

کیا ہم نے غلط کہا ہے کہ یہ معمہ سب سے مشکل ہے کہ بالآخر گاندھی جی ہیں کیا؟ دیکھئے اسے حل کرنے والا کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔

---

## (۲) پاکستان ایک ہندو کی نگاہ میں

مشہور ہندو لیڈر مسٹر ایم۔ این۔ رائے نے اپنے اخبار انڈی پنڈنٹ انڈیا کی ۲۷ اپریل کی اشاعت میں اس عنوان پر ایک مقالہ افتتاحیہ تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان کا آیندہ دستور اساسی فیڈریشن کے انداز کا ہونا چاہیئے یا کانفیڈریسی کے اسلوب کا۔ آپ ان دونوں کا فرق بخوبی سمجھتے ہوں گے؟ فیڈریشن کے معنی ہیں کہ

تمام ہندوستان کو ایک ملک اور ایک قوم فرض کر کے حکومت کو ایک مرکز کے ماتحت رکھا جائے اور کانفیڈریسی یہ ہے کہ ملک میں مختلف خود مختار ریاستوں (سلطنتوں) کو تسلیم کر کے ان میں بین الاقوامی قسم کا معاہدہ کیا جائے یہ دوسری شکل وہ ہے جو پاکستان کی صورت میں متشکل ہو سکتی ہے۔ کانفیڈریسی کے خلاف ہندوؤں کے اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر رائے لکھتے ہیں۔

"کانفیڈریشن کے ماتحت بری سے بری حالت بھی اگر ہوئی تو یہی ہوگا کہ ہندوستان ایک قوم کی بجائے جمعیت اقوام کا ملک بن جائے گا!

(لیکن سوچئے کہ) اگر اس جمعیت میں شامل ہونے والی مختلف قومیں (یعنی ہندو اور مسلمان) فی الحقیقت آزاد ہوں اور مساوات کی رو سے ایک سطح پر کھڑی ہوں تو اس سے تمام ملک کے باشندوں یا ان کے کسی گروہ کو کیا نقصان پہنچے گا؟ اس کا کوئی تسلی بخش جواب آپ سے بن نہیں پڑے گا؟

..... آزادیٔ ہند کے بنیادی سوال کو محض جذباتی دلائل کی رو سے ایک مزعومہ اور موہوم "متحدہ قومیت" کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھا دینا چاہئے"

مسٹر رائے آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اس سیاسی بحث و تمحیص میں "جمہوریت" کا لفظ اس کے صحیح مفہوم میں استعمال نہیں کیا جا رہا جمہوریت سے مراد محض سروں (ہاتھوں) کی گنتی نہیں ہے۔ نہ ہی اکثریت کی حکومت ہمیشہ جمہوری حکومت کہلا سکتی ہے اپنے تحفظ کے لئے اقلیت کا اضطراب بالکل حق بجانب ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ خیال کہ ہندو اکثریت مسلم اقلیت پر تغلب حاصل کر لے گی محض مسلم فرقہ پرستی کے ذہن کی پیداوار ہے! اگر یہ درست ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جب مسلم اقلیت آپ کی قوم کا جزو بن کر نہیں رہنا چاہتی تو آپ کو اس پر اصرار کیوں ہے! ..... اگر (ہندوؤں کے نقطۂ خیال کے مطابق) ہندوستان کا آئندہ دستور جمہوریت کے اس میکانکی اصول پر مبنی ہوگا کہ "ایک آدمی ایک رائے" (یعنی کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ) تو یہی اصول صوبوں کے لئے بھی کیوں نہیں تسلیم کر لیا جاتا! اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان کے لئے یہ فیصلہ کہ وہ آپ کی اس فیڈریشن کے ممبر نہیں بننا چاہتے جس میں اکثریت ہندوؤں کی ہوگی۔ بالکل حق بجانب اور آئین اور جمہوریت کے اصول کے

مطابق ہوگا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ چت بھی آپ کی پٹ بھی آپ کی "

آپ نے خیال فرمایا کہ مسٹر رائے نے حقیقت کو کس طرح صاف صاف بیان کیا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہندو چاہتا ہے کہ ہندوستان کا آئندہ نظامِ حکومت جمہوری ہو جس میں ملک کا قانون اکثریت کے آرا کے مطابق وضع ہوا کرے۔ مسٹر رائے کہتے ہیں کہ اگر آپ جمہوری اصول کو صحیح مانتے ہیں تو یہی اصول صوبوں کی حکومت کے بارے میں بھی تسلیم کیجئے۔ یعنی ہر صوبہ۔ اپنی کثرت رائے سے جس قسم کا نظامِ حکومت اپنے لئے بنانا چاہے۔ بنالے اس صورت میں اگر شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان کے مسلم اکثریت کے صوبے یہ فیصلہ کریں کہ وہ ہندوستان کی فیڈریشن کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تو ان کا یہ فیصلہ۔ خود ہندوؤں کے اصولِ جمہوریت کے بالکل مطابق ہوگا۔ لیکن مسٹر رائے کن لوگوں کے سامنے یہ دلائل پیش کر رہے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہندو اتنا ہی بھولا ہے۔ کہ اس قسم کی صاف صاف باتیں بھی اسکی سمجھ میں نہیں آتیں! وہ یہ سب کچھ جانتا ہے اور جاننے کے بعد چاہتا ہے کہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ سو جب کسی کی نیت یوں بدل جائے تو اس کے سامنے اصول و آئین کی باتیں کرنے سے کیا حاصل!

کس قدر حیرت ہے کہ جو بات مسٹر رائے کی سمجھ میں اتنی آسانی سے آجائے۔ وہ نہ آئے تو مسلم قومیت پرستوں کی سمجھ میں نہ آئے! ابھی اگلے دنوں خیر سے یو۔ پی کی جمعیت العلماء نے جناب احمد سعید صاحب کی زیرِ صدارت یہ ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ

"ہندوستان کے آئندہ آئینی دستور میں مسلمانوں کے مذہب۔ کلچر۔ معاشرت اور زبان کے متعلق حقوق کا تحفظ پاکستان کی رو سے نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور کسی طریقہ سے کر دیا جائے"

(ہندوستان ٹائمز ۲۶/۴/۴۱)

اللہ اکبر! کس قدر بیر ہے پاکستان سے! یعنی مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم نہ ہونے دی جائے۔ ہندوؤں کی اکثریت کے ماتحت مسلمانوں کے "مذہب کا تحفظ" کیا جائے! یہ ہیں آپ کے "علماء کبار"!

چنیں دود از آسماں کم دیدہ باشد!!

حمص سے جب مسلمانوں نے اپنی چھاؤنی اٹھائی ہے تو وہاں کے عیسائی اور یہودی باشندے مسلمانوں سے رو رو کر التجائیں کرتے تھے کہ جلدی واپس آجائے گا، کہیں پھر رومی (عیسائی) ہم پر حاکم نہ ہو جائیں یعنی غیروں کی یہ حالت تھی کہ وہ مسلمانوں کے زیرِ سایہ رہنے کے لئے تڑپتے تھے اور آج

علمائے کبار کی یہ حالت ہے کہ ہندو کا دامن تھامے گڑگڑا کر رو رہے ہیں کہ دیکھنا کہیں! ان مسلمانوں کی حکومت میں ہمیں نہ چھوڑ دینا۔ حکومت اپنی ہی قائم رکھنا۔ حضور کے زیر عاطفت ہم بیکسوں کی گذران ہو جائے گی۔ اب تک بھی سرکار ہی کے نگہ کرم کے تصدق گذر رہی ہے۔ اس کے بعد بھی اپنے دامن سے وابستہ رکھنا ورنہ ہم کہیں کے نہ رہیں گے! إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

---

## (۳) متحدہ قومیت؟

مسٹر رائے نے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے آپنے ایک لیکچر میں اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور انھیں ہندوستان کی کسی اور قوم کا جزو سمجھنا یا قرار دینا، حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"اگرچہ سیاسی مصالح کی خاطر ہم ہندوستان کی تحریک کو ایک "قومی تحریک" اور ہندوستان کو "ایک قوم" کہہ دیتے ہیں لیکن ایک سائنس داں اور ایک مؤرخ کی حیثیت سے ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ بجز اس کے کہ جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کو ایک وحدت کہا جا سکے۔ اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ اہلِ ہند میں یہ وحدت کا رشتہ کسی اندرونی یک جہتی کی بنا پر قائم ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ایک خارجی قوت نے (خواہ مخواہ) اس رشتہ کو ہم پر مسلط کر رکھا ہے (اس صورت کے علاوہ) ہندوستان کو کبھی ایک قوم قرار نہیں دیا جا سکتا ......... تاریخ کو کئی مصالح کی خاطر توڑا مروڑا جاتا ہے۔ انہی مصالح میں سے ایک متحدہ قومیت بھی ہے ...... ہندوستان میں چھوٹی بڑی کئی ایک سلطنتیں رہی ہیں لیکن اس کا ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا کہ تمام کا تمام ہندوستان یا اس کا بیشتر حصہ کبھی بھی ایک قومیت بن کر رہا ہے۔ (یہاں تک کہ) قدیم ہندوستان کی سلطنتیں تو اس کی (موجودہ) حدود سے بھی باہر تک پھیلی ہوتی تھیں۔ اور اس کے برعکس خود ہندوستان کے بعض حصے ان سلطنتوں کی حدود سے باہر ہوا کرتے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر "قومیت پرستی" کا جذبہ کہ سارے ہندوستان کو ایک وحدت تسلیم کر لیا جائے صرف سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ کلچر کے اعتبار سے بھی۔ یا یہ کوشش کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو ——— ان کی نسلی، ثقافتی اور دیگر اختلافات کے باوجود ایک قوم بنا دیا جائے۔ بڑی ہراساں کن باتیں ہیں یہ وہ مسائل ہیں جنھیں محض فرقہ پرستی کا لیبل

لگا کر یا طعنہ زنی اور دشنام طرازی سے حل کر لیا جائے (یہ تو حقائق ہیں جنھیں تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا)
..... عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ ہندو مسلم سوال کا تو وجود ہی کہیں نہیں یہ تو محض حکومت برطانیہ کی تفرقہ انگیزی کی پالیسی کی پیداوار ہے (چنانچہ) وہ لوگ جو بڑی شدت سے قومیت پرستی کے نشہ سے سرشار ہیں۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دیکر سمجھ لیا جائے کہ ہم خطرہ سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ ..... یعنی حقائق سے چشم پوشی کر کے دل کو تسلی دے لی جائے کہ ہم نے ان کا حل دریافت کر لیا ہے! لیکن یہ مسئلہ ایسا آسان نہیں کہ محض ان مفروضات سے حل ہو جائے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی تضاد و تخالف کے اسباب تاریخی حیثیت رکھتے ہیں ..... اقلیت کے مسئلہ کے حل کے لئے لاینفک شرط یہ ہے کہ اکثریت کی طرف سے کامل رواداری کا ثبوت ملے ..... لیکن اگر ہم یہ توقع لے کر بیٹھیں کہ ہندو مسلمانوں کو اپنا بھائی تصور کریں گے تو یہ قیامت تک بھی نہ ہو سکے گا ..... اقلیتوں کا مسئلہ۔ جو اکثریت کی طرف سے نامعقول رویہ کی بناء پر پیدا ہو چکا ہو۔ قومیت پرستی کی جکڑ بندیوں سے سلجھ نہیں سکتا۔ قومیت پرستی پر جتنا زیادہ زور دیا جائے گا۔ اتنا ہی مسئلہ اور زیادہ شدید ہوتا چلا جائے گا۔ اور ہندوستان میں تو حالت اس سے بھی بدتر ہے یہاں تو قومیت پرستی مصنوعی طریقہ پر بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے" ان تصریحات پر غور کیجئے۔ یہ مسٹر جناح کی طرف سے پیش نہیں کیجا رہیں بلکہ ایک ہندو لیڈر کی طرف سے منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔

---

واضح رہے کہ ہم جو کبھی کبھی ہندو لیڈروں کے اس قسم کے بیانات یا تحریرات کے اقتباس پیش کر دیتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہ ہمارے دعوے کے دلائل ہیں ہمارا دعوے تو حق پر مبنی ہے اور حق حق ہی ہے خواہ اس کی تائید میں ایک آواز بھی نہ اٹھے۔ اس قسم کے اقتباسات سے مقصد صرف یہ دکھانا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم بھی تعصب کی عینک اتار کر حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے جس کی طرف مسلمان دعوت دیتے ہیں۔

---

## (۴) اعتراف

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے گورڈل یونیورسٹی کے کانووکیشن ایڈریس کے دوران میں کہا :-

"ہمیں بہ حیثیت قوم اپنے آپ سے اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیئے۔ یہ بالکل درست ہوگا۔ اگر کہا جائے

کہ کسی قوم کی وحدت کے معنی یہ نہیں کہ وہ قوم اپنے کل اور اس کل کے تمام اجزاء سے اچھی طرح واقف ہو لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری اکثریت کو ہندوستان کے متعلق کچھ علم ہی نہیں اور نہ ہی اس علم کے اکتساب کی تمنا ہی ہے۔ ہم اپنے سیاسی پراپیگنڈا کے لئے متحدہ قومیت کا زور زور سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس سے یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی متحدہ قومیت پیدا ہو گئی اور یوں اپنے آپ کو سیاست کی اس افسانوی دنیا میں رکھ چھوڑتے ہیں جو خود ہمارے ذہن کی پیداوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں خود اپنے ملک میں بھی عام نوع انسانی کے ساتھ بہت کم دلچسپی ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق باتیں کرتے رہنا ہمارا شعار ہو گیا ہے۔ ہم نظری مسائل کی فضاؤں میں اڑتے رہتے ہیں اور تصورات کی ہواؤں میں خاک چھانتے پھرتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں کرتے کہ اپنی معاشرتی حدود سے نکل کر اپنی ہمسایہ قوم (یعنی مسلمانوں کے) قریب جائیں اور خود معلوم کریں کہ ان کے خیالات و احساسات کیا ہیں اور ان کا اسلوب زندگی کیسا ہے" (انڈی پنڈنٹ ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء)

مصیبت یہی ہے کہ اس ہزار برس میں بھی ہندو یہ نہیں سمجھ سکا کہ مسلمانوں کے ملی وجود کی تعمیر کن بنیادوں پر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب مسلمان کہتے ہیں کہ

بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے (اقبالؒ)

تو بجائے اس کے ہندو ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرے کہ مسلمان کیا کہتے ہیں وہ اپنے اغراض و مصالح کی خاطر اس پر جھٹ سے فرقہ پرست کا لیبل لگا کر سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بس متحدہ قومیت پیدا ہو گئی! یہ تو کہیے کہ کچھ اللہ ہی کو منظور تھا کہ اس نے مسلمانوں میں اقبالؒ اور جناحؒ پیدا کر دئے ورنہ ہندو کی ابلہ فریبی کام کر ہی گئی تھی آج بھی ہندو اگر اپنے رام راج کے منصوبوں کے خواب ہائے پریشاں کو چھوڑ دے اور خلوص نیت سے مسلمانوں کے جذبات و احساسات اور اس کی ملی زندگی کے اجزائے ترکیبی کو سمجھنے کی کوشش کرے تو ہندوستان کی سیاسی کشمکش کی الجھی ہوئی گتھی فوراً سلجھ جائے۔

---

## (۵) بت پرستی

کانگریس کے متعلق ڈھول پیٹا جا رہا ہے کہ وہ ایک جمہوری ادارہ ہے جسکو ہمارے مسلم قومیت پرست حضرات اس کی اس "جمہوریت" کو عین اسلامی قرار

دیکر کانگریس میں شرکت کے وجوب کی سند لاتے ہیں۔ لیکن سنیئے کہ خود اہل کانگریس کے نزدیک کانگریس کیا ہے۔

"مدراس میل" میں کانگریس پارٹی کے ایک بہت بڑے ممبر کی گمنام چٹھی شائع ہوئی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "بڑا افسوس ہے کہ کانگریس گاندھی اور اس کے متبعین کی براہمنیت کی کیچڑ میں اس بری طرح سے پھنسی ہے کہ اب اس کا اس سے نکلنا مشکل ہوگیا ہے، اگر یہ ابھاؤ محض سیاسی ہوتا تو اس کی اصلاح ہوسکتی تھی لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس نے مذہب کا چولہ پہن لیا ہے۔ اس جماعت کی موجودہ نازک حالت کی وجہ یہ ہے ——— کہ اس میں کانگریس کے لیڈر (گاندھی جی) کی (اندھی) اطاعت اور ضبط پر بیجا زور دیا جارہا ہے۔ کانگریس دراصل براہمنیت کا مندر بن چکی ہے جس میں اس کے راہ نما (گاندھی جی) کا بت رکھ دیا گیا ہے۔ یہی بت پرستی ہے جس سے گھبرا کر معقولیت پسند ہندو اور غیر ہندو اس سے الگ ہوچکے ہیں۔ (انڈی پنڈنٹ انڈیا ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء)

یہ ایک ہندو کے احساسات ہیں جن کے ہاں اشخاص پرستی اور بت پرستی مذہب میں داخل ہے۔ ہندوؤں کو تو کانگریس کی اس بت پرستی سے نفرت ہوگئی لیکن ہمارے "علمائے عظام" کو احساس نہ ہوا کہ ہم توحید کے مدعی ہوکر یہ کیا کر رہے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ سامری اپنا بچھڑا سونے اور چاندی کا بناتا ہے اور اس بچھڑے کی محبت پر غالب آجانا ذرا ہمت چاہتا ہے۔ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ۲/۹۳

---

## (۶) ٹامک ٹوئیاں

ہم کئی دفعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرچکے ہیں کہ جس قوم کے پاس کوئی الٰہی ضابطۂ حیات نہ ہو وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے اور اسے زندگی کی پختہ شاہراہ کہیں نہیں ملتی۔ پھر اگر وہ اپنے فیصلوں کو "انسانوں" کے فیصلے سمجھے تو غلطی نظر آجائے۔ اور اس کا ازالہ زیادہ مشکل نہ ہو لیکن وہ جب ان فیصلہ کرنے والوں کو دیوتا بنا کر ان کی پرستش شروع کردے تو ایسی قوم ذلت اور ظلمت کے گڑھوں سے کبھی نہیں نکل سکتی۔ کانگریس کی آج یہی حالت ہوچکی ہے ہندوؤں کے پاس ابدی حقیقتوں کا ضابطہ پہلے ہی سے نہ تھا۔ اس پر مستزاد کہ انھوں نے اپنی فطرت سے مجبور ہوکر اپنے جیسے ایک انسان کو "خدا" بنا کر اس کی پرستش شروع کردی۔ نتیجہ یہ کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں لیکن کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں۔ موجودہ سیاسی کشاکش میں گاندھی جی کا معرکتہ آرا کارنامہ آزادی تقریر (۹) کی

خاطر ستیہ گرہ ہے۔ سنیے کہ خود کانگریس والوں کی اب کیا حالت ہو چکی ہے۔ مدراس سے شائع ہونے والا "ہندو" اخبار کانگریس کا بہت بڑا نقیب ہے۔ وہ اپنی ۱۵ اپریل کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"کانگریس کو چاہیئے کہ گاندھی جی کی قیادت میں ستیہ گرہ کے وقت جہاں سے بات چھوڑی تھی پھر اس رشتہ کو اپنے ہاتھ میں لے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ کانگریس پھر ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے کام شروع کر دے۔ اور اس چیز کا خیال کئے بغیر کہ حکومت برطانیہ کیا کرتی ہے اور کیا نہیں کرتی لوگوں کی عملی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ستیہ گرہ کو بند کر دے۔ اور اپنی قوتوں کو تعمیری سیاسی کاموں کے لئے مجتمع کرے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ یہ محدود ساستیا گرہ جو گاندھی جی نے شروع کر رکھا ہے۔ ملک کی موجودہ اہم ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا وہ ضرورت ایک عملی اور قومی سیاسی قیادت کا وجود ہے۔ جو عوام کو ایک چٹان کی سی قوت میں تبدیل کر دے جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے" اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ

---

ہندوؤں کی یہ حالت کچھ شعبۂ سیاست میں ہی نہیں بلکہ نظامِ زندگی کے ہر گوشہ میں یہی عالم ہے۔ ان کا دعوےٰ تو یہ ہے کہ دنیا میں ویدک دھرم مکمل ترین مذہب ہے۔ سب سے پہلا اور سب سے آخری ـــــ لیکن عملی حالت یہ ہے کہ آئے دن اس "مکمل ترین مذہب" میں ضروریاتِ زمانہ سے مجبور ہو کر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور یوں اس "سب سے قدیم مذہب کی" مشین کا ایک ایک پرزہ جدید پرزوں سے بدلا جا رہا ہے۔ اور رفتہ رفتہ حالت یہ ہوتی جا رہی ہے کہ مشین کا نام ہی پرانا رہ گیا ہے۔ اجزا کم و بیش سب کے سب بدلے جا چکے ہیں۔ اور جا رہے ہیں۔ چنانچہ آج کل پھر ایک نئی مجلس اصلاح ہندو لا "ریفارمز کمیٹی" (ہندوؤں کے ضابطۂ قوانین میں اصلاح کرنے والی کمیٹی) متعین ہو کر اصلاح و تجدید کا کام کر رہی ہے۔ اس اصلاحی کوششوں کے متعلق ہندوؤں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا۔ شری شنکر آچاریہ جی نے ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے۔

"ہر نظامِ وراثت مقاصد معاشرت کا ایک خاص فلسفہ اپنے پیچھے رکھتا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ ہندوؤں کے قانون کو جیسا یہ ہے ویسا ہی رہنے دینا چاہیئے اس میں جس قدر تغیرات آج تک ہو چکے ہیں میں انھیں بھی اصولاً پسند نہیں کرتا۔ اور جس قدر تبدیلیوں

کی اب تجویز ہو رہی ہے انھیں بھی نامناسب اور غیر ضروری سمجھتا ہوں "

(ہندوستان ٹائمز ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء)

تغیرات و تبدلات کے متعلق مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہ پوزیشن ہے۔ لیکن زمانہ کی ضروریات ہندوؤں کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ اپنے مذہبی قانون میں تبدیلیاں پیدا کریں۔ کہیے کہ جو قانون زمانے کا ساتھ نہ دے سکے وہ کبھی خدائی قانون کہلا سکتا ہے۔

خدائی قانون، اور انسان کی اصلاحات کا محتاج!

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

لیکن اس کے باوجود دعوٰے یہ کہ یہ مذہب ازلی اور ابدی ہے۔ پوچھئے وہ مذہب کہاں جسے ازلی اور ابدی قرار دیا جا رہا ہے۔

---

یہ تو تھا اصلاحِ معاشرت کے متعلق لیکن اصول مذہب میں تغیر و تبدل کے متعلق بھی ایک مشورہ" ملاحظہ فرمایئے۔ سر سی۔ پی۔ راما سوامی آئر جو ہندوؤں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

"ہندو مذہب۔ ان کی موسیقی کی طرح ایک انفرادی مذہب تھا۔ اور یہ اس کا نقص تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ قومیں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ ہندو سوسائٹی کی پھر سے تخلیق کریں اور اسے اجتماعی رنگ دیں۔ اور اپنے مذہب اور موسیقی کو عالمگیر بنائیں تاکہ وہ (دنیا میں) ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک رجمنٹ بٹالین اور فوج کے دستہ کی حیثیت سے آگے بڑھیں " (ایسٹرن ٹائمز ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

لیجئے۔ مذہب کے بنیادی اصول کو ہی بدلنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں تجویزیں کیا۔ ہندوؤں نے اپنے انفرادی مذہب کو مدت سے تیاگ کر اس کی جگہ ایک اجتماعی فلسفہ اسلام سے مستعار لے رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود "ویدک دھرم" ازلی و ابدی ہے"

آنکھ نرگس کی۔ دہن غنچہ کا۔ حیرت میری
ان کی تصویریں پوچھے کوئی اُن کا کیا ہے

---

## (۷) مہاتمائیت

گاندھی جی کا دعوے ہے کہ وہ تعصب سے بلند ہیں بالحاظ مذہب و ملت ان کا سینہ نوع انسانی کے درد سے معمور ہے۔ صداقت اور انصاف پسندی ان کا مذہب ہے۔ وغیرہ ذالک لیکن ان کی گذشتہ بیس سال کی زندگی ایک ایک قدم پر ان کے ان دعاوی کی ایک ایک شق کو جھٹلا رہی ہے۔ یوں تو ان کی تنگ نظری تعصب مسلم کش پالیسی۔ متعدد مواقع پر بے نقاب ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس کا سب سے بڑا اور نمایاں مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ملک میں ہندو مسلم فساد ہو جائے۔ جونہی فساد کی خبر ملے۔ وہ بلا تحقیق و کاوش اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سارا قصور مسلمانوں کا ہے۔ ہندو بیچارے معصوم ہیں مظلوم ہیں، مسلمان وحشی درندے۔ ڈاکو چور اور بدمعاش ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں ڈھاکہ اور احمد آباد میں جو افسوسناک فسادات ہوئے ان کے متعلق بھی ان کے سینہ مہاتمائیت میں ایک قیامت خیز درد اٹھا اور انھوں نے اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا۔ جس کے دوران میں وہ رقمطراز ہیں کہ

"جو تفصیلات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھاکہ اور احمد آباد میں مسلمان مذہبی دیوانوں نے ہندوؤں کی جائداد کو نقصان پہنچانے۔ لوٹنے اور آگ لگانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور یہ سب کچھ اس انداز سے ہوا جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ (اسٹیٹسمین ۸ مئی سنہ ۱۹۴۱ء)

اس طول و عریض بیان میں ان "تفصیلات" میں سے کسی ایک جزئی واقعہ تک کا بھی ذکر نہیں جن کی بنا پر "مہاتما صاحب" اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ فساد انگیزی اور آتش ریزی ایک منظم سازش کے ماتحت مسلمان مذہبی دیوانوں کی طرف سے برپا کی گئی تھی۔

یہ ہے ان کی صداقت اور عالمگیر محبت کا ثبوت ؟ لیکن ذرا ہمارے مسلم قوم پرست حضرات کو دیکھئے کہ یہ سب کچھ اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور ایک لفظ تک زبان پر نہیں لا سکتے نہ معلوم گاندھی جی کی زبان میں وہ کونسی حلاوت ہے جو ان حضرات کو ان کی دشنام طرازیوں میں بھی لذت ملتی ہے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا !!

آپ کو یاد ہوگا کہ جنگ کے شروع میں گاندھی جی وائسرائے صاحب سے ملنے گئے تو وہاں انھیں اس تصور سے غش آ گیا کہ جب لندن پر گولہ باری ہوگی تو انسانیت کا کیا حال ہوگا۔ لیکن اس کے بعد آج تک لندن پر مسلسل گولہ باری ہو رہی ہے اور جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں ان سے ہر شخص کو معلوم ہو رہا ہے کہ وہاں کے

باشندے کس قدر جاں گسل مصائب میں مبتلا ہیں یہ سب "مہاتما جی" کے سامنے ہو رہا ہے۔ لیکن حرام جان کی زبان سے افسوس کا ایک لفظ اور ان کی آنکھ سے رنج کا ایک آنسو بھی سرمژگاں چمکا ہو۔ سمجھا آپ نے! یہ ہیں "مہاتما جی"!

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری (اقبالؒ)

---

آپ کو یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے اہلِ برطانیہ کو مشورہ دیا تھا کہ جرمن اگر تمہارے ملک پر چڑھائی کر دے تو تمہیں تلوار سے اس کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ عدم تشدد سے اس کی مدافعت کرنی چاہیئے خواہ وہ تمہارے گھروں کو برباد اور ملک کو تباہ ہی کیوں نہ کر دے لیکن اگلے دنوں مہاتما جی نے حکومت کو یہ کہہ کر مورد الزام ٹھہرایا ہے کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو نہتہ رکھکر اس قابل نہیں رکھا کہ یہ اپنی حفاظت آپ کر سکیں۔ اس پر ٹائمز آف انڈیا میں ایک صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مسٹر گاندھی کا تازہ بیان جس میں انھوں نے انگریزوں کو اس بات کا ملزم قرار دیا ہے کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو ہتھیاروں کے استعمال سے محروم کر کے اپنی حفاظت کے قابل نہیں رکھا۔ سراسر حماقت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ یہ الزام اس شخص کی طرف سے لگایا جا رہا ہے جو عدم تشدد کا پیرو ہے۔ وہ شخص جو ابھی ہمیں کل تک یہ سبق پڑھاتا تھا کہ اگر (جرمن) تمہارے ملک کو تہس نہس کر دیں پھر بھی تم ہتھیاروں سے اس کی مدافعت نہ کرنا۔ وہ اب کس منہ سے یہ کہتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو نہتہ رکھکر مدافعت کے قابل نہیں رکھا۔ (ایسٹرن ٹائمز ۱۶ مئی ۱۹۴۱ء)

کیا گاندھی جی یا ان کے معتقدین کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ واضح رہے کہ گاندھی جی نے یہ الزام کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو نہتہ رکھکر جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس وقت لگایا ہے جب گذشتہ ہندو مسلم فسادات کے مواقع پر۔ ان کے نزدیک مسلمان فسادیوں نے ہندوؤں کو لوٹا ہے۔

اس سے مہاتما صاحب کی مہاتمیت اور بھی بُری طرح بے نقاب ہو جاتی ہے! لیکن صرف آنکھوں والے پر۔

---

# صراط مستقیم

بہ سلسلہ اصلاح - ملاحظہ ہو
طلوع اسلام بابت ماہ اپریل

## سیدھی راہ

صراط مستقیم، مرکب توصیفی ہے - صراط - راستہ اور مستقیم - سیدھا -

یوں تو دنیا میں ہر خیال کا آدمی اپنے عمل کو سیدھا راستہ قرار دیتا ہے - کل حزب بما لدیھم فرحون الآیۃ (ہر ایک گروہ اپنے خیال میں خوش ہے) مگر ہمیں تو اس وقت صرف مسلمانوں سے خطاب مقصود ہے - اور مسلمان جس آوردہ خیالی اور دہ عملی اور انتشار کی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی اپنی راہ کو مستقیم سمجھتا ہے - اسی سے اس صحبت میں کچھ عرض کرنا ہے -

عملی انتشار میں تو مسلمان کے ہاں ابھی تک یہ طے نہیں پایا کہ نیکی ہے کیا چیز؟ یہاں تک کہ چور کے ہاں چوری نیکی ہے اور وہی صراط مستقیم ہے - شرابی کے ہاں شراب خوری میں وہ لذت ہے جو زاہد کو یہ سنوائے بغیر نہیں رہنے دیتی کہ لذت مے نشناسی - بخدا تا نچشی - اور اسی میں اس کے لئے صراط مستقیم نہاں ہے ایک بدکار کے ہاں بدکاری میں سیدھی راہ مخفی ہے - وغیرہ وغیرہ ممکن ہے میری اس صاف گوئی سے ناظرین ناراض ہو کر کسی فتویٰ بازی پر اتر آئیں اور یہ کہنے لگ جائیں کہ بھلا دنیا میں ایسا کون ہے؟ جو چوری شرابخوری اور بدکاری وغیرہ مسلمہ بد اعمالیوں کو نیکی اور سیدھی راہ سمجھتا ہو؟ میں کہوں گا کہ ناراض ہونے کا حق تو میں کسی کا نہیں چھین سکتا مگر اس قدر عرض ضرور کروں گا کہ ایک شخص بدی کو بدی سمجھ کر کبھی اس کا ارتکاب نہیں کرتا - برائی کا ارتکاب تب کیا جاتا ہے جب اس میں منافع سمجھے جائیں اور اسے نیکی قرار دیا جائے - (خواہ زبان سے اس کی برائیوں کا اعتراف ہی کیوں نہ کیا جائے)

اس کے علاوہ نیکی میں بھی تو اس قدر اختلاف رونما ہے کہ ایک نیکوکار دوسرے نیکوکار کو نیک سمجھنے کے لئے کبھی دل سے آمادہ نہیں ہوا - آمین بالجہر کہنے والے کے ہاں آمین بالخفا والے کی نماز جائز ہی نہیں، نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والے کے خیال میں فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں ہے - رمضان میں بیس رکعت

پڑھنے والے کی تراویح آٹھ رکعت پڑھنے والے کے نزدیک درست نہیں بلکہ بدعت بھی ہے۔ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والا ہاتھ باندھ کر پڑھنے والے کو صراط مستقیم سے کوسوں دور سمجھتا ہے۔ غرض سنی، شیعہ، اہلحدیث، مقلد حنفی، شافعی وغیرہ فرقے اپنے اپنے خیال کو صحیح قرار دے کر سیدھی راہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور دوسرے کو صراط مستقیم سے نہ صرف پرے سمجھتے ہیں بلکہ اسے کافر وغیرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ اندریں صورت ان کے خود ساختہ مذہب کا گھروندا ایک دوسرے پر تکفیر بازی کے حربہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔

سیاسی دنیا کا بھی یہی حال ہے انہی نے سیاست کو مذہب کی اصطلاح کو سامنے رکھ کر جدا کر لیا ہے ورنہ صحیح معنوں میں مذہب اور سیاست دو جدا امر نہیں ہیں۔ مذہب میں سیاست ہے تو سیاست میں مذہب ہے، اور اسلام دونوں کو جامع ہے) لیگ کو احرار سے اور احرار کو خاکسار سے اور خاکسار کو اتحاد ملت سے (وغیرہ وغیرہ) اتفاق نہیں ہے۔ ہر ایک گروہ اپنی راہ کو صراط مستقیم اور دوسرے کی راہ کو صراط غیر مستقیم قرار دیتا ہے

میں سنہ ۱۹۳۶ء میں علی پور ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) میں تھا کہ ایک روز نماز پڑھتے جونہی اھدنا الصراط المستقیم پر پہنچا تو مندرجہ بالا نظریہ اور اس سے کئی گنا اور خیالات میرے دماغ پر مستولی ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا کہ الٰہی پھر صراط مستقیم ہے کیا چیز؟ ان خیالات کے وارد ہونے سے کبھی یہ فکر لاحق ہو جاتا تھا کہ کہیں میری نماز باطل ہو گئی ہو۔ کہتے ہیں کہ نماز میں کوئی ادھر ادھر کا خیال آ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خیال کی آمد تو ہمارے حد اختیار سے باہر ہے۔ اگر نماز میں کسی قسم کا خلل واقع ہوتا تو آورد سے، اگرچہ یہ بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ نماز میں صراط مستقیم سے متعلق تمام کیفیات کو سامنے رکھنے اور لانے سے ہی ہدایت کی درخواست پوری ہو سکتی ہے۔ اور انسان بہ حیثیت انسان کے جب رب العٰلمین کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اپنی تمام آرزوئیں کو پیش کرتا ہے جسے صراط مستقیم کے جامع لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

چنانچہ میں نے نماز ختم کرتے ہی قرآن کریم سے صراط مستقیم کی تلاش شروع کر دی۔ تمام قرآن کریم سے صراط مستقیم سے متعلقہ آیات کو ایک سلسلے میں مربوط کر دیا جن سے میری تسلی ہو گئی کہ صراط مستقیم کسے کہتے ہیں؟ اور ان امور کا تصور نماز میں کس قدر ضروری ہے؟ اور اس تصور کی آرزو کی اہمیت کس حد تک ہے؟ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان کی نماز فرشتوں کی نماز نہیں ہے۔ بلکہ ایک انسان کی جائز خواہشات اور وہ بھی رب العٰلمین کی طرف سے تصدیق کردہ کی درخواست ہے۔ سبحان اللہ العلی العظیم

ناظرین کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ان آیات کو تلاوت کریں اور ان کے معانی پر غور کریں

اور اگر ان کو قرآنی صراطِ مستقیم سے اتفاق ہو تو اس کو ہر وقت اپنے دھیان میں رکھ کر عمل میں لائیں۔

پھر یہ بھی صحیح ہے کہ غلام کا اپنا کوئی صراطِ مستقیم نہیں ہوتا۔ آقا کے ہاتھ میں اس کی باگ ہوتی ہے جدھر چاہے اسے توجہ کرے، جسے چاہے اس کا قبلہ تجویز کرے۔ یا آقا کا قبلہ ہی غلام کا قبلہ ہوتا ہے اور آقا کی آرزوؤں کی تکمیل ہی غلام کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ مسلمان کی اس کی "آقائیت" (یعنی ایک خدا کی غلامی اور ساری دنیا کی سرداری) کے ایام میں اس کی تمام زندگی ہی صراطِ مستقیم تھی اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) چلا (اور دکھا) ہمیں راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی کہ انعام کیا تو نے ان پر، نہیں غضب کیا گیا ان پر اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ فاتحۃ الکتاب ۱۔ ۵ تا ۷)

فاتحۃ القرآن میں صراطِ مستقیم پر چلنے یا اسے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے اور پھر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی راہ ہے جن پر انعام کیا گیا ہے اور کہ وہ مغضوب علیہم اور ضالین نہیں ہیں۔

انعام کیا چیز ہے؟ غضب کس کو کہتے ہیں؟ اور ضلالت کیا ہے؟ اپنی اپنی جگہ تفصیلات کے طالب ہیں۔ تمام قرآن کریم ان کی تشریح سے پُر ہے۔ ہر ایک عنوان پر قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے۔

(۲) جاہل اور نادان لوگ کہیں گے "کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے قبلے سے جس پر وہ تھے"؟ کہہ دو۔ اللہ کے لئے ہونا چاہیئے (یا ہے) مشرق اور مغرب۔ وہ راہ دکھاتا ہے جسے مناسب سمجھتا ہے۔ (یا اسے جو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا اسے راہ نہیں دکھاتا[۱]) طرف سیدھی راہ کے۔ (۲: ۱۴۲)

---

[۱] من یشاء کے معنوں میں میں نے تھوڑا سا اختلاف ظاہر کر دیا ہے۔ من کو مفعول بنا کر یشاء کا فاعل اللہ تعالےٰ کو سمجھتے ہوئے (یعنی اللہ تعالیٰ کو مناسب سمجھتا ہے) میں نے اول مرتبہ میں جگہ دی ہے۔ اور من یشاء کا ترجمہ جیسے مناسب سمجھتا ہے (یعنی جو ہدایت کے لئے مناسبت رکھتا ہے) کیا ہے۔ نہ کہ جسے چاہتا ہے کیونکہ چاہنے میں صرف خواہش پائی جاتی ہے اور چاہنے کا کوئی معیار بھی نہیں ہوتا اور من یشاء کے دوسرے معنوں میں من کو یشاء کا فاعل (بارجاع ضمیر فاعل) قرار دیا ہے۔ اب معنی بالکل واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اس کو جو ہدایت کو چاہتا ہے (یشاء کے معنی چاہتا ہے اس جگہ مناسب ہو جاتے ہیں) اور جو سرے سے ہدایت کو چاہتا نہیں اسے اللہ تعالےٰ ہدایت نہیں کرتا یعنی جو آبائی رسوم اور مکافات کی حدبندی میں اپنی مرکزیت کو وابستہ سمجھتا ہے اور ہدایت کو اللہ تعالےٰ سے طلب نہیں کرتا وہ خدا تعالےٰ سے ہدایت کا مستحق نہیں ہوتا۔

لوگ مشرق یا مغرب کو آبائی قبلہ سمجھ کر (کہ ان کے باپ دادا ادھر منہ کر کے نماز پڑھتے تھے) اس پر قائم رہتے تھے اگر مشرق کسی کا آبائی قبلہ ہے تو مغرب کو برا سمجھتے اور اگر مغرب آبائی قبلہ ہے تو مشرق کو برا خیال کرتے۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مشرق بحیثیت مشرق اور مغرب بحیثیت مغرب یا مشرق بحیثیت قبلہ آبائی یا مغرب بحیثیت قبلہ آبائی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں مشرق ہو خواہ مغرب اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مرکز اور قبلہ بنایا جائے تو ایک بات بھی ہے کیونکہ مشرق یا مغرب ہدایت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہدایت کرتا ہے معلوم ہوا کہ مرکزیت اور قبلہ مقصد کے اندر جب تک الٰہیت نہ ہو تب تک صراط مستقیم کی توقع محال ہے

(۳) (کہا عیسیٰ علیہ السلام نے) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب۔ پس اس کی غلامی کرو۔ یہ سیدھی راہ ہے" (۳۱ : ۵۰)

اس آیت میں ایک پیغمبرؑ کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب سمجھکر اس کی غلامی اور اس کے حکم کے آگے سر نیاز خم کرنا سیدھی راہ ہے اور اس کے خلاف یعنی غیر اللہ کی ربوبیت میں اس کی آقائی کے آگے غلامی کا اظہار یا کسی غیر خدا کے حکم کی اطاعت ٹیڑھی راہ ہے۔

(۴) "اور کیونکر کفر کرتے ہو (یا کرو گے تم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور تلاوت کیجاتی ہیں تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات اور تم میں بھیجا گیا) اس کا رسولؐ اور جو شخص مضبوط تعلق رکھے اللہ تعالیٰ سے پس وہی ہدایت کیا گیا ہے سیدھی راہ کی طرف" (۳)

اس آیت میں کفر باللہ کی تردید کی گئی ہے "تلاوت آیات اور بعثت رسول سے۔ پھر یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اعتصام (مضبوط تعلق) ہی صراط مستقیم ہے۔

(۵) "اور اگر ہم لکھ دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے نفسوں کو (نفس کشی) یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے، نہ کرتے اس کو مگر تھوڑے ان میں سے۔ اور اگر وہ درحقیقت کرتے اسے جس کا ان کو وعظ کیا جاتا ہے تو ہوتا اچھا ان کے لئے اور زیادہ مضبوط ثابت قدمی میں اور اس وقت ہم ضرور دیتے ان کو اپنے ہاں سے بڑا اجر اور ضرور ہم دکھاتے ان کو صراط مستقیم" (۴ : ۶۶ تا ۶۸)

ان تمام آیات میں اپنے نفس کے قتل اور اپنے گھروں سے نکل جانے کو خدا تعالیٰ کے حکم سے خیر تثبیت سبب اجر عظیم اور ہدایت صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے کبھی حبّ نفس، یا حبّ وطن کو مقدم نہ رکھا جائے۔ اور یہی دو چیزیں حبّ نفس اور حبّ وطن ہی تمام خود غرضیوں اور انفرادی کشاکشوں کی ذمہ دار ہیں۔ اور ان ہی سے مرکزیت اور اجتماعیت تار تار ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔

(۶) "آ گئی ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور بیان کرنے والی کتاب۔ ہدایت کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو تابع ہو اس کی رضامندی کے۔ سلامتی کے راستوں کی۔ اور نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور ہدایت کرتا ہے ان کو صراط مستقیم کی طرف" (۵: ۱۵ و ۱۶)

اللہ تعالیٰ کی روشنی اور کتاب میں سے تین اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:۔

(الف) سلامتی کے راستے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے (اور ان پر چلایا جاتا) ہے

(ب) ظلمات اور تاریکیوں سے باہر نکال کر نور اور روشنی میں رکھا جاتا ہے۔

(ج) اور صراط مستقیم کی ہدایت کی جاتی ہے۔

مگر شرط یہ ہے جو رضوان اللہ کی اتباع کریں ان کو فوائد حاصل ہونگے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے دور دور بھاگیں وہ ان فوائد سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

(۷) "اور جن لوگوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، تاریکیوں میں (پڑے بھٹکتے ہیں) جسے مناسب سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ رکھتا ہے اور جسے مناسب سمجھتا ہے کر دیتا ہے اس کو صراط مستقیم پر" (۶/۳۹)

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی کے مکذب ہیں، وہی درحقیقت بہرے، گونگے، اور ظلمات میں پڑے ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ پھر بتلایا کہ دنیا میں دو گروہ بستے ہیں جن کے نتائج الگ الگ ہیں۔ ایک وہ گروہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں گمراہ رکھنا مناسب ہے (یعنی گمراہی میں رہنے دینا) اور وہ گروہ یہی مکذبین آیات الٰہی کا ہے۔ اور ایک گروہ وہ ہے جسے، صراط مستقیم پر مقرر کر دیتا ہے۔ یقیناً یہ گروہ مکذبین آیات الٰہی کا ضد ہے یعنی آیات الٰہی کے مصدقین ہی صراط مستقیم پر ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تصدیق آیات الٰہی ہی صراط مستقیم پر مقرر کرنے کا باعث ہے۔

(۸) "پس وہ شخص ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کہ گمراہ رہنے دے اُسے۔ کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ (حرج)۔ گویا کہ وہ چڑھ رہا ہے آسمان میں۔ ایسا ہی ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ رجس (ناپاکی) ان لوگوں پر جو نہیں علم رکھتے اور یہ تیرے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں آیات ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ان ہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر، ان کے رب کے پاس اور وہ ولی ہے ان کا۔ ساتھ اسی کے کہ وہ عمل میں لاتے ہیں (۶/۱۲۵ تا ۱۲۷)

ان آیات میں دو گروہوں کا بیان ہے "تنگ دل" والے اور "شرح صدر" والے۔

"تنگ دل" بے علم اور گمراہ ہوتے ہیں اور "شرح صدر" والوں کو اسلام کی راہ ملتی ہے اور دارالسلام بھی انہی کے لئے ہے۔ اور خدا تعالیٰ بھی انہی کا ولی ہے، اور یہی "شرح صدر" لا کر وہ سیدھی راہ پر ہے۔ اب لوگوں کے اختیار میں ہے کہ وہ "تنگ دل" رہ کر سیدھی راہ چھوڑ بیٹھیں۔ یا "شرح صدر" کے ساتھ اسلام (صراط مستقیم) کو قبول کریں۔ اور خدا تعالیٰ کی ولایت حاصل کریں۔

(۹) "اور بلاشبہ یہ میری راہ ہے سیدھی۔ پس اتباع کرو اس کی۔ اور مت اتباع کرو راستوں کی پس وہ الگ کر دیں گے تم کو اس راہ سے۔ یہ وصیت کی اس نے تم کو اس راہ کی۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ" (۶/۱۵۳)

اس آیت سے پہلے چند احکام بیان کر کے شرک وغیرہ کی حرمت ظاہر کی گئی ہے اور انہی کو صراط مستقیم کہا گیا ہے اور اس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا دوسرے تمام راستوں کی اتباع کی ممانعت کر دی گئی ہے اور نتیجہ بھی دکھایا گیا ہے کہ ان دوسرے راستوں کی اتباع سے انسان خدا تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑتا ہے۔ گویا احکام انہی کی اتباع "صراط مستقیم" ہے۔

(۱۰) "کہہ دو۔ کہ مجھے ہدایت کی میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف۔ جو دین قیم ہے، ملت ابراہیمؑ ہے (وہ ابراہیمؑ) جو حنیف تھے اور مشرک نہ تھے۔ کہہ دو کہ میری نماز (جسمانی عبادتیں) اور میری مالی قربانیاں اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے (۶: ۱۶۲ و ۱۶۳)

دین قیم ملت ابراہیمیؑ کو صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ ابراہیمؑ حنیف تھے اور مشرک نہ تھے اس لئے ہر اس شخص کو جو صراط مستقیم پر چلنا چاہے اپنی جسمانی اور مالی عبادتیں تمام زندگی اور موت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دینا چاہیئے۔ اور اسوۂ ابراہیمی کبھی نظر سے اوجھل نہ ہو۔

(نوٹ) ابراہیمؑ کی طرف ثلث کذبات (تین جھوٹ) کی نسبت کو صحیح مان کر اس کے اسوہ کو کس طرح صراط مستقیم قرار دیا جائے گا۔

(۱۱) "اور الگ ہو جاؤ آج اے مجرمو! کیا ہم نے بزور نہ کہا تھا تمہیں (اے اولاد آدم) کہ مت عبادت (غلامی) کرو شیطان کی۔ بلاشبہ وہ تمہارا دشمن ہے کھلا۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو۔ یہ سیدھی راہ ہے" (۳۶: ۵۹ تا ۶۱)

جرم اور گناہ کو شیطان کی عبادت (غلامی) کہہ کر سخت تنبیہ کی گئی ہے اور عبادت الٰہی کو صراطِ مستقیم کہا گیا ہے گویا غیر کی غلامی میں - خواہ اپنے نفس کی اس کی خواہشات کی تعمیل میں خواہ کسی انسان کی اس کے احکام کی اتباع کے سلسلے میں - جو افعال سرزد ہونگے وہ جرم اور گناہ ہیں - اور خدا تعالیٰ کی غلامی اور اس کے احکام کی اطاعت میں زندگی بسر کرنا ہی "صراطِ مستقیم" ہے -

(۱۲) "اور ہم نے منّ (احسان) کیا موسےٰؑ اور ہارونؑ پر اور نجات دی ہم نے ان دونو کو اور ان کی قوم کو بڑے کرب سے اور نصرت دی ہم نے ان سب کو اور تھے وہ غالب - اور دی ہم نے ان کو کتابِ واضح - اور ہدایت کی ہم نے ان دونو کو سیدھی راہ کی" (۳۷ : ۱۱۴ تا ۱۱۸)

ان آیات سے چند ایک اہم نکات ہاتھ آتے ہیں : -

(الف) موسےٰ اور ہارون پر اللہ تعالیٰ نے منّ (احسان) نازل کیا اور وہ کیا ہے یہ کہ ان دونوں کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو کربِ عظیم (غلامی) سے نجات دی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منّ، غلامی سے نجات کو کہا گیا ہے -

(ب) صرف کربِ عظیم (غلامی) سے ہی نجات نہیں بخشی - بلکہ ان کو منصور کر کے دشمن پر غلبہ بخشا گیا (یہی سلویٰ تسلی تھا)

(ج) موسیٰؑ اور ہارونؑ علیہ السلام کو قوم کی راہنمائی کے لئے کتاب واضح عطا کی اور دونو کو صراطِ مستقیم عطا کیا -

ثابت ہوا کہ غلامی سے نجات، دشمن پر نصرت، اور قوم کی راہنمائی (آزادی کو برقرار رکھنے) کے لئے کتاب کا ملنا ہی صراطِ مستقیم ہے -

(نوٹ) مضمون کی طوالت کے خوف سے اور اس لئے بھی کہ صرف قرآنی مضامین ناظرین کو دکھے پھیکے معلوم دیتے ہیں باقی حوالجات پر اکتفا کیا جاتا ہے -

۴ : ۱۶۶ و ۱۶۷ ؛ ۱۰ : ۲۵ و ۱۵ : ۴۱ و ۴۲ و ۱۹ : ۱۲۰ تا ۱۲۲ ؛ ۲۲ و ۲۴ : ۵ و ۲۳ : ۷۳ - ۷۴ و ۲۴۳ : ۲۴ و

۳۶ : ۱ تا ۴ و ۳۳ ؛ ۳۸ : ۲۳ تا ۴۴ و ۳۳ : ۶۱ و ۳۳ : ۴۶ ؛ ۴۹ و ۴۸ : ۲۰ و ۲۷ ؛ ۲۲ -

**خلاصہ** | یہ کہ صراطِ مستقیم،

(۱) انعام کی راہ ہے - غضب اور ضلالت کی راہ نہیں ہے - اور بڑا انعام قرآن کریم میں آزادی ہے - آیت ۷!

(۲) مشرق اور مغرب کی راہ صراطِ مستقیم نہیں ہے - اللہ کی راہ صراطِ مستقیم ہے - اور اس کے حکم سے اور اسی کی رضا کے ماتحت اگر مشرق یا مغرب کو قبلہ اور مرکز بنایا جائے تو پھر مشرق یا مغرب کی مرکزیت بھی صراطِ مستقیم ہو جاتی ہے - آیت ۲۷

(۳) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور غلامی ہی صراط مستقیم ہے۔ غیر کی غلامی سیدھی راہ نہیں ہے۔ آیت ۳

(۴) اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق ہی صراط مستقیم ہے، کفر باللہ سیدھی راہ نہیں ہے۔ آیت ۴

(۵) قتل نفس اور اخراج عن الوطن ہی صراط مستقیم ہے اگر حکم الٰہی کے ماتحت ہو۔ حبِ نفس اور حبِ وطن صراط مستقیم نہیں ہے۔ خصوصاً جہاں احکام الٰہی کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہو۔ آیت ۵

(۶) رضوان اللہ کی اتباع سے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کیجاتی ہے۔ آیت ۶

(۷) تکذیب آیات الٰہی سے آدمی بہرا، گونگا اور ظلمات میں زندگی بسر کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس تصدیق آیات الٰہی ہی صراط مستقیم کا باعث بن جاتی ہے۔ آیت ۷

(۸) شرح صدر والوں کو اسلام اور دار اسلام عطا ہوتا ہے اور یہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا سبب بنتا ہے آیت ۸

(۹) احکام الٰہی کی اطاعت ہی صراط مستقیم ہے۔ اور احکام الٰہی سے اعراض (روگردانی) سیدھی راہ کے خلاف ہے آیت ۹

(۱۰) اسوہ ابراہیمؑ اور اس کی ملت ہی صراط مستقیم ہے اور وہ توحید اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی پیش کرنا اور شرک سے اجتناب اور پرہیز ہے۔ آیت ۱۰

(۱۱) جرم اور گناہ صراط مستقیم کے خلاف اور شیطان کی عبادت اور غلامی ہے اور خدا تعالیٰ کی غلامی ہی صراط مستقیم ہے۔ آیت ۱۱

(۱۲) کسی قوم کو غلامی سے نجات، دشمنوں کی تباہی اور ان پر کمزور قوم کا غلبہ اور کمزور قوم سے پیغمبر (ایک نہ دو) کی بعثت مع کتاب صراط مستقیم ہے۔ آیت ۱۲

باقی حوالہ جات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان باللہ، اعتصام باللہ، آیات الٰہی، سیدنا محمد رسول اللہ کی راہ۔ اتباع احکام الٰہی۔ فتح بر دشمنان، مال غنیمت کی حفاظت اور سیدھا چلنا صراط مستقیم ہے۔

پس انعام، قیام مرکز، عبادت الٰہی، قتل نفس خروج عن الوطن، عمل بالکتاب المبین۔ شرح صدر حصول آزادی، دشمن کی مغلوبیت اور مقہوریت، نصرت الٰہی، ملت ابراہیمی، غلبہ قوم، مال غنیمت اعتصام بالوحی اور مومنوں پر شیطان کا عدم تسلط ہی صراط مستقیم ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ آمین

مشتاق احمد خاں افغان (الیہ)

# اسلامی معاشرت

## نقشِ ثانی

از جناب پرویز صاحب

دیکھنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا پمفلٹ ہے لیکن افادی حیثیت سے بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہے مسلمانوں کی روزمرّہ کی زندگی کس قسم کی ہونی چاہیئے۔ اس کا ماحول کیسا ہونا چاہیئے اس کی عادات، و اخلاق کا خاکہ، اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ اس کے تمدّن و معاشرت کے خط و خال اس کی تعلیم و تہذیب اس کے دنیاوی معاملات اپنوں اور بیگانوں سے اس کے تعلّقات غرض کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز و اسلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اس چھوٹے سے پمفلٹ میں یہ سب کچھ آ گیا ہے اور اس قدر سادہ اور دلنشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور لطف یہ کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ ہر چیز قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیات میں بیان کی گئی ہیں بچوں کے لیئے یہ پمفلٹ بہت ہی مفید ہے اسلامی مدارس میں بطور نصاب کے داخل کر لیا جائے تو طلباء کے قلب و دماغ کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو جائے۔ قیمت ۴ر محصول ۱ر

ادارہ طلوعِ اسلام دہلی

رجسٹرڈ ڈی ایل نمبر 4240

# معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) **طلوعِ اسلام** ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک دیجئے ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ تاریخ سے پہلے پہلے آجانی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع (جوابی کارڈ) رکھ دیا جاتا ہے جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آنا چاہیئے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے اور قیمت فی پرچہ ۸/ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔پی طلب کرنے کے بعد اسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھیئے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۹) آپ اپنا تعارف **نمبر خریداری** کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں۔ اس لئے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) **طلوعِ اسلام** کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے اشتراکِ عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔ واللہ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچے کے لئے ۴/ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۱۴) ناظم **ادارہ طلوعِ اسلام دہلی**

Printed at the Jayyed Press, Delhi.